خیالات

عالیجناب نواب غلام احمد خاں صاحب احمدی مرحوم رئیس

کنجپورہ ضلع کرنال سابق ممبر کونسل آف ریجنسی ریاست گوالیار کہ جناب

ممدوح الیشان گاہ گاہ در مجالس عظیمہ ارشاد فرمودند

موسوم بہ

حسب الارشاد

صاحبزادہ سلطان احمد خاں صاحب و آفتاب احمد خاں صاحب

بیرسٹرایٹ لا پسران جناب ممدوح

در مطبع احمدی علی گڑھ ۱۹۰۶ء ۱۳۲۳ھ طبع شد

اللہ اکبر
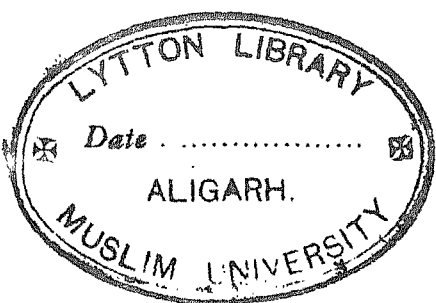
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خداوند جلیل کی حمد اور سرور انبیا کی نعت کے بعد احمد ہی الناس کرتا ہے کہ مختلف وقتوں میں میری زبان سے بزم احباب میں کچھ مضامین و مطالب اصلاح خیالات کے متعلق بیان ہوئے ہیں اکثر ان میں سے اخبارات اردو میں شائع بھی ہوئے۔ قدرت نے عام اثر قبول بخشا اب احباب خواہش کرتے ہیں کہ وہ مجموعہ ایک کتاب کے نام سے موسوم ہوکر طبع ہو جائے۔ میں اس امر کی بھی تعمیل کرتا ہوں۔ **صبح نور** سے موسوم ہوکر یہ مجموعہ طبع ہوتا ہے خداوند پاک جل جلالہ سے آرزو ہے کہ اس صبح نور میں تجلیات روزافزوں عنایت فرماوے آمین ثم آمین۔

نمبر (۱)

دور و تسلسل

حضرات جو صاحب بروز روشن آفتاب منور کے وجود کو تسلیم کرنیکے واسطے دلائل کے خواستگار ہوں اور اپنی آنکھیں مہر انور کی پر نور شعاعوں کے دیکھنے سے بند کرلیں اُنکو کیا سمجھا جائے۔ کیا ہمکو وجود باری عز اسمہٗ کے سمجھنے میں اگر ہم عقل کی آنکھوں پر پٹی باندھ لیں کوئی بھی تامل و تردد ہو سکتا ہے کیا ہمارا اور تمام مخلوق کا وجود ہمارے خالق کے وجود کی کامل دلیل نہیں ہے کیا یہ قدرتوں کے تماشے جو شبانہ روز ہمارے روبرو ہوتے ہیں کوئی طلسمی کھیل ہیں۔ اور کیا یہ رنگ برنگی صورتیں جو بنتی اور مٹتی ہیں وہمی یا خیالی ہیں نہیں صاحبو یہ ہمارے اُس حکیم قدیم کے بحر قدرت کی موجیں ہیں جو سب سے نرالا اور سب کا پرورش کرنیوالا ہے۔

نظم

نشاں کیا کیا دکھائے تو نے یا رب بے نشاں ہو کر	عیاں کیا کچھ کیا ہے تو نے اے خالق نہاں ہو کر
تمنا ہے نہ رستہ دیدہ گرگی تجھکو پہچانے	ترے در تک پہنچ جائے غبار جسم جاں ہو کر

گلستاں میں گلوں کے کان ہیں آواز پر تیرے
ترا ذکرِ خفی کرتا ہے ہر پتا زباں ہو کر

ترا جوشِ کرم رفعت اگر دے اہلِ پستی کو
مہ و خور پر زمیں سایہ فگن ہو آسماں ہو کر

تمنا ہے سراپا محوِ ذکرِ ذاتِ باری ہوں
مرا ہر موئے تن سرگرمِ مدحت ہو زباں ہو کر

تماشوں میں تری قدرت کے آنکھیں محوِ حیرت ہیں
نرالا رنگ ہے پیشِ نظر گذرا جہاں ہو کر

جنہیں طفلی میں صرفِ بازیٔ چوگان گو پایا
وہی محوِ خود آرائی نظر آئے جواں ہو کر

تنِ عریاں کو ملبوسِ عنایت کی تمنا ہے
لباسِ جسم پھٹ جائیگا اکدن دھجیاں ہو کر

کہاں انکا ضبط کیسا ننگ جوشِ یا دباری ہیں
دلِ بیتاب پہلو سے نکل بھاگا فغاں ہو کر

زباں کو میری گویا کر الٰہی اپنی مدحت میں
کروں مردہ دلوں کو زندہ دل معجز بیاں ہو کر

ترے آثارِ قدرت پر کروں دلچسپ تقریریں
جھکاؤں گردنیں پیرانِ منکر کی جواں ہو کر

کمر کستا ہوں تیرے نام پر تو مجھکو ہمت دے
سہارے پر ترے ہی اٹھتا ہوں ہیچ خواں ہو کر

جہاں بھولوں بتا جس جا بھٹک جاؤں ہدایت کر
جو ہو لغزش تو مجھکو تھام میرا مہرباں ہو کر

بھروسہ پر تری امداد کے بیڑا اٹھایا ہے
فلک کے بوجھ اٹھانے پر تلا ہوں ناتواں ہو کر

ترے در پر جبینِ احمدی سرگرمِ سجدہ ہے
تمنا ہے یہیں مٹ جائے خاکِ آستاں ہو کر

اگر عقلی ہی دلائل کی ضرورت ہے تب بھی میں بقدر عقل خود بیان کرنے کو تیار ہوں - دیکھو ہم کائنات میں بہت اقسام موجودات کے پاتے ہیں اور اُن موجودات کے حالات بحسب نوع اپنے اپنے طرز پر پاتے ہیں اور موجودات

کی تعداد ایسی کثیر ہے کہ ہمارا ذہن پورے طور پر اُن سب کا تصوّر بھی نہیں کر سکتا
یہ بھی ہم دیکھتے ہیں کہ ہر نوع کے افراد میں خاص خاص تشخصات ہیں اور پھر باوجود
اختلافِ نوع و اختلافِ تشخص کائنات میں ایک ایسا مناسب انتظام قائم ہے
جس کی توصیف میں ہماری زبان قاصر ہے۔ پس ایسی حالت میں ایک ایسی عظیم
متصرف قوت باعلم و قدرت کا ماننا لازم ہے جو ان انواع متضادہ کو اپنی حالتوں پر
قائم رکھے اور حسب مصلحت اُن میں تصرفات کرے۔ اُس قوت کی تعریف یہ بھی
ہو کہ جیسا ہماری ابتدائی نسلوں کو یا یوں کہو موجودات عالم کی ابتدائی جنسوں کو
اُس سے تعلق رہا ہو اسی طرح ہماری موجودہ نسلوں یا جنسوں کو اور انتہائی نسلوں
اور جنسوں کو اُس سے تعلق ہو۔ پس کیا شبہہ ہے کہ ہمارے خداوند پاک کو
جسطرح ہمارے جدّ اعلیٰ آدم ابو البشر کے ساتھ پرورش کا تعلق تھا وہی ہمارے
ساتھ ہے اور وہی ہماری آیندہ نسلوں کے ساتھ رہیگا۔ کیا کوئی کہہ سکتا ہے
کہ وہ خداوند جسنے آدم کے نتھنوں میں زندگی کا دم پھونکا کوئی اور تھا اور اب
کوئی اور ہے۔ یا کوئی یہ دعویٰ کر سکتا ہے کہ خدا کوئی نہ تھا امور کائن خود بخود
ہوتے ہیں۔ بعض نادان لوگ جنکے خیال میں تسلسل درست ہے شاید ان
وجوہ کو تسلسل پر درست سمجھکر ذات خدا کی تصرّفات کے منکر ہوں اوّل
یہ کہ ہم دیکھتے ہیں کہ ہر مولود کی پیدایش کے واسطے نر و مادہ کا باہمی اتصال
لازمی ہے اگر نر و مادہ باہم اتصال نہ کریں حمل قرار نہ پاوے پھر جبکہ ہماری پیدایش

کے واسطے ہماری ہی نوع کا اتصال شرط ٹہیری تو ایسی حالت میں خدا کے تصرفات کو تسلیم کرنیکی کیا ضرورت ہے **دوم** یہ کہ جسطرح ہماری پیدایش کا باعث ہمارے والدین کا باہمی اتصال ہوا اسی طرح ہمارے والدین کی پیدایش کا باعث اُنکے والدین کا اتصال ہوا۔ علی ہذا القیاس اسی طور سے یہ سلسلہ غیر متناہی زمانہ تک اوپر کی طرف چلا جاتا ہے کسی جگہ ٹہیرتا نہیں تو اس صورت میں اس امر کے تسلیم کی کیا حاجت ہے کہ اس سلسلہ کی ابتدا خدا کے ارادے سے ہوئی۔ قس علی ہذا زمانہ آیندہ کی طرف بھی یہ سلسلہ یوں ہی چلا جاتا ہے اور غیر متناہی زمانہ تک چلا جائیگا۔ پھر کیونکر تسلیم کریں کہ کسی وقت میں خدا کا ارادہ اس سلسلہ کو بند کردیگا۔ **سوم** یہ کہ اس امر کے ثبوت کی ہمارے پاس کیا دلیل ہے کہ خدا کے تصرفات ان سلسلوں میں موجود ہیں **چہارم** یہ کہ خدا محسوس نہیں پس ہم کیوں مان لیں کہ وہ ہے۔ میں ایسے صاحبوں کی خدمت میں ایک گذارش کرنا چاہتا ہوں دل لگا کر سُنیں لیکن پیشتر اس سے کہ میں بوجوہات اس سلسلہ تقریر کا محرک ہوں ایک قاعدہ کلیہ بطور تمہید کے بیان کرتا ہوں کیا معنی میری تقریر آیندہ کے ہر پہلو پر اس قاعدہ کی ضرورت ہوگی وہ یہ ہے کہ امور عالم میں ہم یہ قاعدہ عام پاتے ہیں کہ جن افعال کا بحسب طبیعت وقوع ہوتا ہے وہ ہمیشہ یکساں ہوتے ہیں اُنکے یکساں ہونے میں اُس حالت میں فرق پڑتا ہے جب کوئی متصرف

باعلم و قدرت اُس میں تصرف کرے۔ مثلاً ہمیشہ ہلکی چیزیں اوپر اور بھاری چیزیں
نیچے رہتی ہیں۔ جب کسی بھاری شے کو خلا میں چھوڑیں فوراً مرکز زمین کی طرف گر پڑنا
چاہیگی لیکن گرتی ہوئی کو ہاتھ سے یا کسی آلہ سے تھام لیجائے تب البتہ ٹھیر جائیگی
پس بھاری شے کا یہ فعل کہ جب خلا میں سے اُسکو چھوڑیں تب وہ مرکز زمین ہی
کی طرف جانا چاہیگی ہمیشہ یکساں رہے گا جب کبھی اس قوت کے یکساں
ہونے میں فرق پڑے گا اُسیوقت سمجھا جائیگا کہ کسی نے تصرّف کر کے فعل کے
یکساں ہونے کو باز رکھا۔ اسی طرح آگ کا شعلہ ہمیشہ مخروطی اور صنوبری شکل
میں رہتا ہے اگر کوئی کسی ظرف یا آلہ سے اُسکے اوپر کی باریک لو کو دبائے
تب وہ شعلہ اطراف میں پھیلے گا خود بخود کبھی نہیں پھیلیگا۔
پس جب کبھی ہم آگ کے شعلہ کو اُسکی دائمی حالت کے خلاف پاویں ہمکو
فوراً گمان ہوگا کہ کسی متصرف کا یہ فعل ہے۔ غرض ہمارے اس بیان سے
یہ ثابت کرنا ہے کہ جو افعال بحسب طبیعت وقوع میں آتے ہیں عام اس سے
کہ وہ افعال حیوانات سے متعلق ہوں یا نباتات یا جمادات سے یا اجرام
فلکی یا عناصر سے وہ ہمیشہ یکساں ہوتے ہیں اور جب اُنکے یکساں ہونے
میں کمی و بیشی پائی جاتی ہے تو عقل حکم لگاتی ہے کہ اُن افعال کے وقوع
میں کسی نے تصرف کیا۔ اب ہم **وجہ اول** کا جواب دیتے ہیں جس میں یہ
بیان ہوا ہے کہ ہر مولود کی پیدائش کے واسطے نر و مادہ کا باہمی اتصال لازمی

ہے اگر نر و مادہ باہم اتصال نہ کریں حمل قرار نہ پاوے پھر جب کہ ہماری پیدایش
کے واسطے ہماری ہی نوع کا اتصال شرط ٹہیری تو ایسی حالت میں خدا
کے تصرفات کے تسلیم کرنے کی کیا ضرورت ہے واضح ہو کہ ہمارے اُس
بے مثل و بےنظیر خداوند نے عالم میں جو امور کائن اور غیر کائن کا تعلق اسباب
سے کیا ہے اور دنیا کو عالم اسباب کہتے ہیں اور اشیاء و اجسام میں خواص
خاص رکھے ہیں تو اس میں اُسکی حکمت بالغہ کا بہت بڑا ثبوت ملتا ہے یعنی
اگر امور کائن اسباب پر منحصر نہ ہوتے تو انتظام تمدن ہم میں کبھی قائم نہ رہ سکتا
مثلاً حمل کے قرار پانے کے لیئے ہمارے ہی نوع انسان میں اگر اتصال
مرد و عورت لازمی سبب نہوتا یا جو مدت حمل مقرر ہے یہ مقرر نہوتی تو ہم بڑی
غلطی میں پڑتے شوہردار و غیر شوہر دار اور نیک نیت و بدنیت عورت میں ہم
کبھی تمیز نہ کر سکتے نہ حکم لگا سکتے نہ ہمارا انصاف قائم رہ سکتا۔ علی ہذا القیاس
مینھہ برسنے کے لیئے ابر ہونا لازمی نہوتا تو کس درجہ ہرج ہر روز ہوا کرتے ہمکو
ہر وقت دغدغہ لگا رہتا کہ شاید اب پانی برس جاوے۔ قس علی ہذا اشیاء و
اجسام میں اگر خواص خاص نہ رکھے جاتے تو ہم کبھی سنکھیا پر حکم زہر قاتل ہونیکا
اور شہد اور دودھ پر حکم غذا ہونیکا نہ لگا سکتے اور ایسی حالت میں جب کہ ہر ایک شئے
کی نسبت یہ دغدغہ لگا رہتا کہ کب کیا خاصیت ظاہر کریگی تو کیا ہم چین سے
جی سکتے۔ اس قسم کی بہت سی مثالیں بیان ہو سکتی ہیں پس اُس حکیم قدیر نے

جوامور کائن کو اسباب سے تعلق بخشا اور اشیاء و اجسام میں خواص خاص رکھے یہ ہمارے ہی حق میں احسان کیا لیکن اسی کے ساتھ اُس کی قدرت کاملہ نے اپنی اظہار جبروت کی غرض سے ان تمام قاعدوں میں خاص خاص تصرفات بہی کیئے شاید اُس بندہ نواز کے ان قاعدوں میں تصرفات کرنے سے یہ حکمت ہو کہ ہم نادانوں کو گمراہی سے بچاوے کیا معنی جب امور کائن کے قاعدے یکساں طور پر چلتے اور اُن میں کمی بیشی کبہی نہوتی تو ہم بہی خیال کرتے کہ یہ امور بحسب طبیعت عالم ہوتے ہیں کوئی متصرف نہیں اور ایسی حالت میں ہم گویا انکار الوہیت کرتے نعوذ باللہ منہ - کو کہو صرف حیوانات میں یا یوں کہو اُس جنس میں جسکو جیتی جان کہتے ہیں تو الد تناسل کے کتنے مختلف طریق ہیں اور اُن طریقوں میں خاص خاص تصرفات پائے جاتے ہیں انسانوں اور اکثر حیوانوں کا توالد تناسل نر و مادہ کے اتصال پر مقرر ہے لیکن اسی اتصال کا نتیجہ کبہی امید ہوتا ہے کبہی ناامید ہی اور اُسی اتصال کا نتیجہ کبہی نر ہوتا ہے کبہی مادہ کبہی تیسری شکل جسکو مخنث بولتے ہیں اور پہر کوئی مولود ضعیف الخلقت ہوتا ہے کوئی قوی الخلقت کوئی ذکی کوئی نادان - کبہی بعض مولود کے اعضا معمول سے کم بعض کے معمول سے زیادہ پائے جاتے ہیں - جنس حیوانات میں بعض کے بچہ پیدا ہوتا ہے بعض کے انڈا حشرات الارض بہی باعتبار جیتی جان ہونے کے حیوانات میں داخل ہیں - پس بعض حشرات الارض ایسے ہیں کہ اُن کی

ابتدائی خلقت کے لئے نر و مادہ کا اتصال لازمی نہیں اگرچہ بعد میں توالد وتناسل کے واسطے اتصال کیا جاوے اور سلسلہ قائم ہو جائے جیسے مکھیاں یا مینڈکیں یا گجائیاں یا کیچوے۔ فصل گرما شروع ہوتے ہی بغیر تناہی مکھیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ برسات میں مینہ برستے ہی ہزارہا مینڈکیں جابجا پائی جاتی ہیں۔ گجائیاں اور کیچوے بھی برسات ہی میں پائے جاتے ہیں اور موسم میں نشان نہیں ملتا۔ اس بیان سے یہ امر ثابت ہو گیا کہ توالد وتناسل کا عالم میں ایک ہی طریقہ نہیں بلکہ مختلف طریقے ہیں۔ اور یہ بھی ثابت ہوا کہ ہر ایک جنس جاندار کے پیدا ہونے کے واسطے نر و مادہ کا اتصال لازم نہیں۔ اس ثبوت کے بعد آسانی سے ذہن میں آ سکتا ہے کہ ہمارے حقیقی منتظم اور خالق نے اپنی مصلحتوں کے مطابق ہر ایک نوع حیوان کے توالد وتناسل کا طریق مقرر فرمایا۔ اُسکی قدرت ہر ایک نوع کو اُسکے طریق مقررہ سے پیدا کر کے اُسی کے نوع کے حدود مقررہ تک اُسکے افراد کو پہونچا دیتی ہے۔ اور واسطے ثبوت الوہیت کے حسب مصلحت اُس میں تصرفات بھی کرتی ہے کوئی مکھی ہاتھی کے برابر نہیں بڑھ سکتی۔ کوئی ہاتھی مکھی کے ہم قد کبھی نہیں ہو سکتا۔ بلکہ مکھی بقدر اپنی نوع کے اور ہاتھی بقدر نوع کے قطار ثلثہ میں بڑہیگا اور باوصف بقدر نوع بڑہنے کے دو ہاتی بھی ایک قد اور ایک صورت کے یا دو آدمی بھی ایک صورت اور ایک آواز کے پائے نہیں جاتے۔ پس اگر افراد نوعی میں بحسب

طبیعت عالم افعال ہوتے تو ہر ایک فرد نوعی کا بتمامہ یکساں فعل ہوتا افراد نوعی ہم قد ہم شکل ہم آواز ہوتے۔ نثار ہو جانیکا مقام ہے اُس قادر حقیقی کے انتظام پر جسنے جابجا ظہور قدرت دکھائے۔

نظم

سمک سے تا سما اقرار ہے تیری خدائی کا
ازل سے تا ابد ہے جوش تیری کبریائی کا

غزلخوانی کا میری ڈہنگ دنیا سے نرالا ہے
مجھے موقع ہے تیرے در پہ قسمت آزمائی کا

تو آقا ہم ہیں چاکر تو ہے مولا ہم ترے بندے
کرم شیوہ ترا یاں ہاتھہ میں کاسہ گدائی کا

بُرا ہوں یا بھلا تیرا ہوں تیرے در پہ حاضر ہوں
نہ کچھہ رندی سے مطلب ہے نہ دعوی پارسائی کا

سوا تیرے کہیں ہمکو سہارا مل نہیں سکتا
ہمیں کافی ہے تیرے در پہ رتبہ جبہہ سائی کا

فنا کے رہرووں نے بے جسو نسے غرض مطلب کیا
ترے جویا کو موقع جبکہ تجھہ تک ہو رسائی کا

سوا تیرے جسے ڈہونڈا وہ گرم عزم رفتن تھا
تمنائی وصال غیر میں تھا غم جدائی کا

جو خود مٹ جائے وہ کیا ہو کسی کے درد کا مرہم
کرے محتاج کیونکر حوصلہ حاجت روائی کا

نہ تو بھولے نہ تو سووے نہ تو اونگھے نہ جا بدلے
نہ کچھہ بھی جوش کم ہوگا تیری کبریائی کا

تجھی کو ہم نہ کیوں ڈہونڈیں تجھی کو ہم نہ کیوں پوجیں
تجھی سے کیوں نہ رکھیں آسرا حاجت روائی کا

ہماری پرورش کرتا تھا تو ہی رحم مادر میں
ہوا خود رہنما پستان تک تو رسائی کا

مجھے تخت عناصر پر تری رحمت نے بٹھلایا
رہا آرام حاصل مدتوں اس چارپائی کا

خداوندا زبان احمدی کو وہ طلاقت دے
دلوں میں جوش زن ہو بحر یاد کبریائی کا

اب میں وجہ دوم کا جواب دیتا ہوں وہ یہ کہ ہم عالم میں سلسلہ جات کثیرہ پاتے ہیں ہر فرد موجود ایک علیحدہ سلسلہ کا جزوہ ہے پس اگر ان سلسلہ جات کثیرہ مختلفہ کا کوئی منتظم نہیں تو لازم آئیگا کہ یہ سلسلہ جات کثیرہ ازلی ابدی ہوں حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ ہم اپنی آنکھوں سے سلسلوں کو ٹوٹتے دیکھتے ہیں کیا معنی جب فرد واحد کا سلسلہ اُس کی ذات خاص تک محدود رہا آگے نہ چلا اُسکے فنا ہوجانے پر وہ سلسلہ قطعی ٹوٹا۔ دیکھو جو آدمی لاولد مرا یا نامتخدا مرا یا کوئی حیوان ایسی حالت میں مرا کہ ہنوز اُسکو مادہ سے اتصال کی نوبت نہ پہونچی تھی یا کوئی درخت خشک ہوگیا ان سب کا سلسلہ آیندہ کے لئے ختم ہوگیا اور اس ختم ہوجانے کی وجہ سے ازلی ابدی ہونا اُسکا باطل قرار پاچکا کیا معنی منتہی وہی شے ہوگی جسکی ابتدا ہوئی ہو اور جس شے کی ابتدا ہوئی ہو وہ ازلی ابدی نہیں ہوسکتی۔ یہ بھی ہم دیکھتے ہیں کہ موجودہ سلسلوں میں کوئی ترتیب اور قاعدہ نہیں کبھی ایک سلسلہ سے کئی سلسلے شروع ہوجاتے ہیں کبھی ایک سے ایک ہی قائم رہتا ہے کبھی ایک بھی قائم نہیں رہتا۔ پس اگر کوئی متصرف قوت موجود نہ ہوتی اور انتظام سلسلونکا بحسب طبیعت عام یا سلسلونکے قاعدہ مقررہ سے ہوتا تو یکساں ہوتا اُس میں کمی بیشی نہوتی یہ امر بھی تجربہ سے ثابت ہے کہ جسطرح برساتی حشرات الارض کے سلسلے اوپر کی طرف زیادہ دور نہیں چلتے اسیطرح برساتی نباتات کے سلسلے بھی اوپر کی طرف

دور تک نہیں چلتے یہ بھی ظاہر ہے کہ اگر چند سال بارش نہو تو قوی نباتات کے
سلسلے بھی ٹوٹ جائیں۔ حیوانات کے سلسلوں میں بھی انقلاب عظیم واقع ہوجاسے
خشک سالی کے ایام میں لاکھوں سلسلے ٹوٹ جاتے ہیں۔ پھر کیا خاک استحکام
ایسے سلسلونکو ہے جنکا ہونا نہونا صرف پانی پر منحصر ہے سلسلونکی قدامت کا
اندازہ اسی دلیل سے کافی طور پر ہوسکتا ہے اگر ہم ان صاف اور روشن
دلائل کے ہوتے ہوئے عقل کی آنکھیں بند کرلیں اور خواہ مخواہ یہی خیال
کریں کہ تسلسل درست ہے تب بھی یہ روشن دلیل ایسے خیال کی بنیاد قائم نہونے
دیگی کہ نباتات اور حیوانات اور جمادات زمینی کے سلسلے اگر زیادہ سے زیادہ دور لیجانا
چاہیں تو عناصر تک پہونچکر پھر آگے نہیں بڑھتے۔ کیونکہ ان موالید ثلثہ کی ترکیب جسمی
میں عناصر داخل ہیں پھر کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ ہماری یا ہمارے سلسلے کی فرد اول
کی ترکیب جسمی عناصر سے ہوئی تو عناصر کی ترکیب اور عناصر سے ہوئی ہوگی۔ کیا یہ ہوا کسی
دوسری ہوا سے پیدا ہوئی۔ یا یہ پانی کسی دوسرے پانی سے۔ اگر نہیں تو کیا تسلسل کا
قدیم ہونا تسلیم ہوسکتا ہے نہیں ہرگز نہیں۔ وجوہات بالا سے میرے خیال میں
تسلسل کا ابطال تو ہوچکا لیکن اس موقع پر ایک شبہ رفع کرنا ضرور ہے وہ یہ ہے
کہ مبادا کسی شخص کا خیال یہ تقریر سنکر تسلسل کی طرف سے ہٹے تو عناصر کی طرف
اسی خوش اعتقادی کے ساتھ مائل ہوجائے اور یہ سمجھنے لگے کہ کائنات میں
سب کچھہ عناصر سے یا اُسکی ترکیب باہمی سے ہوتا ہے خدا کوئی شے نہیں واضح ہو

عناصر میں کوئی عنصر علیم بالذات نہیں متحرک بالارادہ بھی نہیں پانی کو ہزار برس کسی نشیب میں رکھیئے جب تک اور زیادہ نشیب نہ پاویگا بجائے خود قائم رہے گا۔ ہوا کو جب تک حرکت نہ دیجائے ممکن نہیں کہ متحرک ہو یہی آگ کی حقیقت ہے اُسکا مشتعل ہونا ہمیشہ رگڑ اور تحریک کے ساتھ وابستہ ہے خاک خود ایک ٹھوس اور بے حس عنصر ہے پس جبکہ یہ حال ہے تو میں کہہ سکتا ہوں کہ جو شئے علیم بالذات اور متحرک بالارادہ نہو وہ منتظم نہیں ہوسکتی۔ منتظم تو ہمارا وہ خدا وند ہے ہی جو ازلی ابدی علیم و قدیر ہے۔
ہر ایک سلسلہ کی ابتدا محض اُسکے ارادہ سے ہوتی ہے اور ہر سلسلہ کا قیام اُسکے ارادہ تک رہتا ہے اُسی کے ارادے سے ہر سلسلہ ختم ہوجاتا ہے۔ جسکو چاہے قائم کرے جسے چاہے مٹائے اُسکو اپنے ارادے کے جاری کرنے میں کسی کی مدد اور مشورہ کی ضرورت نہیں وہ کسی کا سہارا نہیں چاہتا۔ سب اُسی کی عنایت کے سہارے پر ہیں اشیار میں خواص بخشتا ہے کبھی زائل کر دیتا ہے محض اپنے ارادے سے جو چاہے کرتا ہے۔ شاید کسی کو یہ خدشہ پیدا ہو کہ یہ بیان صرف اُن موجودات کی بابت کیا گیا جو ہماری اس زمین پر پائی جاتی ہے عالم میں غیر متناہی کواکب و کرات موجود ہیں اُنکی نسبت کچھ بیان نہیں ہوا میں کہتا ہوں کہ ستاروں کی رفتار اور حرکات خاص خاص ہیں اُنکے مداروں میں بھی تفاوت ہے۔ پس ہر ایک ستیارہ اپنی مدار پر اپنی ہی رفتار سے حرکت کرتا ہے۔ پس کوئی منتظم چاہیے جسنے کواکب کی مختلف رفتاروں سے باوصف اختلاف مدارات کائنات کا ایک

بینظیر انتظام قائم کیا۔

وجہ سوم کی بابت بیان کرنے کی ضرورت اسوجہ سے باقی نہیں رہی کہ عبارت مصرحہ بالا سے خداوند پاک کے تصرفات کا کافی ثبوت ملتا ہے۔

اب ہم وجہ چہارم کا جواب دیتے ہیں جس میں یہ بیان ہوا ہے کہ خدا محسوس نہیں پھر ہم کیوں مان لیں کہ وہ ہے۔ واضح ہو کہ وہ ہمارا بے مثل و بے نظیر خداوند تو بجائے خود ہے اُسکی مخلوق میں ایسی اشیاء موجود ہیں جنکا ہونا صرف اُنکے افعال سے ثابت ہو سکتا ہے اور بجز افعال کے اور کسی طرح ثابت نہیں ہو سکتا۔ باایہمہ اُنکے ہونے میں کسی کو شبہہ باقی نہیں دیکھو عقل وہ شئے ہے جسکے ہونے کا ہر فرد بشر مقر ہے معمولی گفتگو میں روزانہ ایسے الفاظ کا استعمال ہوتا ہے کہ فلاں شخص عاقل ہے اور فلاں شخص بے عقل ہے۔ پس ایسے صاحبوں سے اگر سوال کیا جائے کہ عقل کا وجود کیونکر دریافت ہوا کیا معنی عقل محسوس نہیں ہے تو بے تامل یہی جواب ملے گا کہ فی الحقیقت عقل محسوس نہیں لیکن اُسکے افعال سے دریافت ہوا کہ وہ ہے کیا معنی جس شخص نے خردمندانہ کام سوچ سمجھکر کیئے سمجھا گیا کہ وہ شخص عاقل ہے جسنے بے پروائی سے نادانوں کی طرح وقت ضائع کیئے وہ نادان مشہور ہوا۔ پس جبکہ عقل کی یہ حقیقت ہے کہ وہ محسوس بحواس نہیں لیکن اُسکے افعال سے اُسکے ہونیکا علم قطعی ہوا۔ پھر اُس خداوند مقدس کے کاموںکو

دیکھہ کر اُسکی ذات پاک کے موجود ہونمیں کیا شبہہ باقی رہ سکتا ہے وہ وہ ہے
جسنے چاند اور سورج کو نور بخشا جو وقت پر دن اور رات کرتا ہے اُس کی قدرت
اندہیروں میں روشنی اور روشنی میں تاریکی پیدا کرتی ہے۔ وہ وہ ہے جسنے
بجلی میں یہ تیزی اور تڑپ رکھی ہے۔ بادلونسے پانی برساتا ہے۔ وہ ایسا خداوند
ہے جو دریائی مخلوق کو پانی میں زمین پر پھرنے والوںکو سطح زمین پر روزی
دیتا ہے۔ وہ ایسا بے مثل صانع ہے جسنے آنکھہ کے تل میں پہاڑ اور زمین
و آسمان کا عکس سمایا۔ وہ وہ ہے جسنے آنکھ کو بصارت کان کو سماعت عطا
کی۔ وہ وہ ہے جسنے ٹہوس اور چھوٹے بیج سے عظیم الشان درخت پیدا
کئے۔ مقناطیس کو لوہے سے کاہ کو کاہربا سے کافور کو فلفل سیاہ سے
ربط بخشا۔ وہ وہ ہے جسنے بے انتہا کواکب سے آسمان کو زینت دی
جسنے چیونٹی اور مچھر کے دماغ میں بھی بطون رکھے اور اُس میں شعور پیدا
کیا۔ وہ وہ ہے جسکی کائنات کی انتہا کبھی نہیں آسکتی۔ وہ وہ ہے جو غلہ جات
میں غذائیت اور پہلوں میں ذائقہ پیدا کرتا ہے وہی تو وہ خداوند ہے جو فرو تنگان
حضیض ذلت کو اوج رفعت پر پہونچا دیتا ہے۔ وہی تو وہ بے نیاز پروردگار
ہے جس کی بارگاہ عالی میں ایک پشۂ ناچیز اور سریر آرایان ہفت اقلیم برابر ہیں
سیپ میں موتی کان میں چاندی سونا دماغوں میں عقل دلوں میں جوش سینوں
میں امنگیں وہی تو پیدا کرتا ہے وہی تو ہمارے چھپے کُھلے رازوں پر مطلع ہے

خلیل کو آگ سے یوسف کو کنویں سے یونس کو بطن ماہی سے اُسی نے تو
سلامت نکالا۔ مرض کی حالت میں ایوب کا اور فراقِ یوسف میں یعقوب
کا ہی تو ساتھی تھا۔ اُسی کے شیون قدرت کی موجیں فضائے امکان میں
نہیں سما سکتیں۔ شاید کسی صاحب کو اس محل پر خوش اعتقادی سے یہ خیال
پیدا ہو کہ عقل ہی عین ذاتِ باری ہے تو میں اپنے خیال کے مطابق یہ جواب
دینا چاہتا ہوں کہ عقل عین ذات باری نہیں ہے بلکہ مخلوق ہے اول اس
وجہ سے کہ بہ کمی و بیشی مراتب عقل کو عام دماغ انسانی سے ایک علاقہ ہے
کسی دماغ میں زیادہ کسی میں کم۔ نیز عقل کبھی قوائے باطنی کی مغلوب ہو جاتی
ہے کبھی اُن پر غالب آ جاتی ہے۔ کبھی عقل کو تشویشیں عارض ہوتی ہیں کبھی اطمینان
دوم اس وجہ سے کہ زمانہ بلوغ و بقائے قوت میں افعال عقلی پُر قوت ہوتے ہیں
اور دوسرے وقتوں میں کمزور ہوتے ہیں۔ پس جبکہ عقل میں کمی اور بیشی کو دخل
ہے اور اُسکی حالتوں میں تغیرات واقع ہوتے ہیں تو وہ عین ذات باری تسلیم
نہیں کیجا سکتی۔ ذات باری جل جلالہ میں کمی بیشی کو دخل نہیں۔ اُس کی ذات
مقدس کو کبھی تشویشات عارض نہیں ہو سکتیں۔ وہ پاک ذات حالتوں کی متبع
نہیں۔ عقل اُسکی مخلوق ہے اور وہ خالق ہے۔ وہ ہر ایک کام اپنے ارادہ
اور اپنی مصلحت سے کرتا ہے کوئی اُسکا مدِ مقابل نہیں۔ وہ ابدی یگانہ سب
سے نرالا ہے وحوش و طیور چرند و پرند ہوا پر اڑانیوالا یا زمین پر پھرنیوالا

پانوسے چلتا ہو یا پیٹ سے سب کے سب اُسی کے خوانِ نعمت کے مہمان ہیں۔ سب کو روزی دیتا ہے۔ سب کو وقت پر پیدا کرتا ہے اور مارتا ہے ہم سب اُسی کے سایۂ عاطفت میں ہیں وُہی ہمکو ابداً کافی ہے۔

نظم

تو ہے اجسام کا خالق مربی تو ہے جانوں کا
ترے خوانِ کرم پر جمگھٹا ہے میہمانوں کا

ترا ہی لطف بڈھونکو عصائے وقت پیری ہے
تری امداد سے پرجوش سینہ نوجوانوں کا

تری ہی دھن میں ناقوس برہمن گرم نالہ ہے
تری ہی یاد میں ہے مسجدوں میں غل اذانوں کا

زمیں ہو جائے پھٹکر ٹکڑے ٹکڑے گر نہ تو تھامے
ترا ہی لطف پشتہ بن رہا ہے آسمانوں کا

ارادہ تک ترے سے قائم ہے ہر اک سلسلہ ورنہ
مدبر جسم کا پھر کون حافظ کون جانوں کا

ترے گلزار میں دخلِ خزاں ہرگز نہیں ممکن
نہو گا رنگ پھیکا گاہ تیرے بوستانوں کا

سہارے پر تری امداد کے ہم سب توانا ہیں
وگرنہ سانس لینا ہو گراں ہم ناتوانوں کا

رہے دل میں تری تو نورِ ایماں اسکو کہتے ہیں
کریں تیری ثنا یہ کام ہے گویا زبانوں کا

خداوندِ دو عالم کی حضوری ہمکو حاصل ہے
دماغ اے احمدی کیونکر ملے ہم مدح خوانوں کا

نمبر (۲)

صدق نیت

حاضرین ہم کو اپنے نہایت برتر و اعلیٰ خداوند کی حصول رضامندی کے واسطے سب سے زیادہ خلوص ارادت اور صدق نیت کی ضرورت ہے ہم اپنی کج فہمیونکی بدولت زید و عمر پر آرزومندانہ نگاہیں ڈالتے ہیں۔ اگر ہم دانشمندانہ غور کریں تو سمجھہ لیں کہ شفیق ذات باری نے ہمکو صرف اپنا ہی محتاج رکھا ہے ہمارے لئے خوان نعمت یہ وسیع اور فائدہ بخش زمین ہے کیسے کیسے لذیذ پہل اور غلہ جات اس سے ہمکو ملتے ہیں۔ ابر ہمارے لئے معینہ اوقات پر آبپاشی کی خدمت ادا کرتا ہے ہمارے ہاتھ پاؤں میں قوت دی کہ ہم اپنی حاصل کی ہوئی یا ترکیب دی ہوئی اشیا کو اطراف زمین میں پہر چل کر اپنے ہمجنسوں سے ضروری اشیا کا تبادلہ کریں جسکو اصطلاح میں بیوپار یا تجارت کہتے ہیں ہمیں میں وہ لوگ بھی ہیں جو اپنے اور اپنے متعلقین کے واسطے ضروری اشیا حاصل کرنے کی غرض سے قوت جسمانی یا دماغی کا تبادلہ کرتے ہیں یہ سب اشیا عطا کی ہوئی اُسی خداوند پاک کی ہیں پہر ایسے خداوند کے احسانات جسنے ہمارے لئے اتنے بڑے بڑے اہتمام کئے

کیا ہمکو بھولنا چاہیئے کیسی غفلت ہے کہ ہم اپنے ہم جنس آدمیوں کے ساتھ
بدمعاملگی کرنے یا منافقانہ ملنے سے تو دلمیں اندیشہ مند رہیں یہی خوف لگا رہے
کہ مبادا ہمارا حال اُسپر ظاہر ہوجائے تو بدلا لینے پر مستعد ہوجائے
باوصف اس بات کے کہ ہم جانتے ہیں کہ آدمی ہمارے چھپے بھید پر مطلع
نہیں ہمارے دل کی بات وہ معلوم نہیں کرسکتا وہ بیمار ہوسکتا ہے بھول
سکتا ہے قید ہوسکتا ہے سفر کرسکتا ہے ضعیف ہوسکتا ہے مرسکتا ہے
جس ضعیف الخلقت کو اتنے عوارض لاحق ہوسکتے ہوں اُس سے تو ہم
ڈریں اور مارے ڈر کے سچے معاملات رکھنے پر مجبور ہوں اور اُس سے
خوف نہ کریں اور اُس کی رضامندی غیر رضامندی کی پروا نہ کریں جسکے غصہ
سے زمینیں تھرا اُٹھیں آسمان کانپ اُٹھیں ملائک الامان پکاریں کائنات
میں زلزلہ پڑجائے جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا جسکے محض ارادہ کرنے
سے لاکھوں نئی زمینیں کروڑوں نئے آسمان پیدا ہوجاویں جسکے سہل اشارہ
سے تمام کائنات ایسی مٹ جائے گویا کبھی نشان ہی نہ تھا اگر کچھ بھی سمجھ
بوجھ ہے تو سب سے زیادہ اُسی کا احسان مانو سب سے زیادہ اُسی سے
ڈرو یہ مت سمجھو کہ وہ کہاں موجود ہے جو اُسکا دھیان کریں یا یہ کہ وہ آسمانوں
پر ہوگا یا یہ کہ ہمکو اس زندگی میں تو انہیں آدمیوں سے کام پڑتا ہے خدا سے
کبھی مرنے کے بعد پڑے تو پڑے۔

صاحبو سوچو تو سورج روز صبح کو نکلتا ہے شام کو چھپ جاتا ہے کبھی
دن ہوتا ہے کبھی رات۔ یہ کون کرتا ہے کیا آپ ہی آپ ہوتا ہے نہیں یہ
اُس پیارے مالک کے حکم سے ہوتا ہے جو سب سے اور ہمارے پاس
ہے سب کاموں کو دیکھتا ہے جو چاہتا ہے کرتا ہے وہی ہمارا سچا اور پکا ساتھی
ہے دیکھو ماں کے پیٹ میں اُسی نے ہماری حفاظت کی پیدا کیا بڑا کیا سمجھ
بوجھ دی ہماری جنس کو نر اور مادہ پیدا کیا تاکہ جب ہم اُمنگوں پر آویں جائز طور سے
جوڑ جوڑ ڈھونڈلیں پھر کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ ہمارے پیارے مالک کے سوا
یہ کسی اور کا کام ہے۔ غور کرو اُسکو ہماری کیا پروا ہے کیا وہ کچھ گھٹا ہوا ہے
جو ہماری کسی کوشش سے بڑھ سکے یا اُسکو کوئی حاجت ہے جس میں ہمارا
سہارا درکار ہو۔ نہیں بلکہ جو کام اُسنے اپنی مرضی کے قرار دیئے ہیں وہ بھی
خاص ہمارے فائدوں پر مشتمل ہیں دیکھو اُسکی مرضی ہے کہ ہم جھوٹ نہ بولیں جھوٹے
معاملات نہ کریں ہر ایک انسان کی جو درحقیقت ہمارا بھائی ہے بھلائی چاہیں
اپنے حقوق کے سوا دوسروں کے حقوق کو نہ چھوئیں کسی کو بُرائی نہ پہونچائیں
جھگڑے نہ خریدیں شرارتیں نہ کریں غور کرو اُسکے کسقدر احسان ہیں ان
کاموں کی احتیاط ہمارے حق میں کس درجہ مفید ہے طرہ اُسپر یہ کہ ان کاموں سے
ہمارے معاملات بھی ٹھیک ٹھیک چلتے ہیں اور ہمارا خداوند بھی ہم سے
راضی ہوتا ہے جس کی رضامندی کے پہل ہمکو آیندہ ضرور ملنے والے

ہیں۔ حضرات ہمنے یہ عادتاً مان لیا ہے کہ اپنی پرورش یا اپنے متعلقین
کی پرورش ہم کرتے ہیں پرورش کا لفظ زبان پر آتے ہی کھانے پینے
یا پہننے کی چیز دینے مراد لینا دل میں پڑتا ہے مگر کھانے پینے یا پہننے کی
چیز ایک ہی ایسی ہے جو ہمنے پیدا کی ہو جبکہ نہیں تو کیا جستجو اور ترکیب
اشیاء پر گھمنڈ کیا جاتا ہے جستجو کے واسطے قوت اور ترکیب دینے
کے لئے سمجھ بھی تو اُسی نے دی ہے سوچو تو مخلوق جسکو تمہاری سی قوت
حاصل نہیں یا تم سی سمجھ نہیں کیا دنیا کی سطح سے مٹ گئے کیا ہوا کی پرندوں کو
تمہارے لباسوں کی ضرورت ہے یا دریا کی مچھلیاں بن رضائی گدے کے بیچین
ہیں یا جنگل کے وحشی کبھی تم سے بھیک مانگنے آتے ہیں بیان تو کرو انکی
نسلیں کیوں نہیں مٹ جاتیں کیوں نہیں فنا ہو جاتیں ان میں تو کوئی بھی تم
سی سمجھ نہیں رکھتا کوئی ذخیرہ نہیں رکھتا کوئی نقب نہیں لگاتا رشوت نہیں
لیتا بھیک نہیں مانگتا کھیتی یا بیوپار نہیں کرتا پھر کیونکر زندہ رہتے ہیں کیا تم
اُنکی چارہ گری کرتے ہو اُنکے ساتھ وہ پرورش کرنیوالا ہے جس کی بدولت
وہ آزادانہ زندگی گذارتے ہیں۔ تمہارے ساتھ بھی وہی پرورش کرنیوالا ہے
پھر تم دھیان کیوں نہیں کرتے اور کیوں اُسپر سچا بھروسا نہیں کرتے
کیوں فریب اور جھوٹ کو اپنے بھائیوں کے حق میں استعمال کرتے ہو
کیا ہزاروں برس جینے کی امیدیں کرتے ہو اگر بالفرض تم ہزاروں برس

زندہ رہو تو کیا ہمارا پرورش کرنیوالا خداوند ہماری پرورش سے ہاتھ کھینچ لے گا
اُسنے ہمکو حیوانات سے ممتاز کیا عقل وتمیز دی تاکہ ہم اپنے معاملات عمدہ اور
درست چلاویں اور اُسکو پہچانیں اور اُسکا احسان مانیں جسنے ہمکو عقل و تمیز دیکر
حیوانات سے امتیاز بخشا جسنے ہماری زبان میں گویائی کی طاقت دی
ہمکو ایسی قوت دماغی دی جسکے ذریعہ سے ہم قدرتی چیزوں میں وہ تصرفات عقلی
کریں کہ ہماری اور ابنائے جنس کی ضرورتیں روا ہوں پھر ہم اپنی جسمانی اور دماغی
قوتونکو نامناسب موقعونپر کیوں صرف کریں ہم ان بے بہا موتیونکا کوئیلوں
سے کیوں تبادلہ کریں ہم ان درخشندہ موتیوں سے وہ دکان کیوں نہ لگاویں
جسپر خریدارونکا ہجوم ہوجائے اور ہم مالا مال ہوجائیں جسقدر مدت کوئی فریب
کی تدبیر سوچکر کسی کے دہوکا دینے کی فکر میں رہیں اُسیقدر مدت کسی اچھے کام
میں کیوں نہ محنت کریں جس سے ہمکو نیک روزی ملے اور ہمارا پیارا مالک
ہمسے خوش ہو جتنی دیر کوئی حسد کا خیال ہمارے دل میں رہے اور ہماری
روح کو بے چین رکھے اتنی دیر ہم اُس پکے ساتھی کا دہیان کیوں نہ کریں جو
ہر وقت ہمارے آڑے آتا ہے ہائے ہم نادانوں کی خام خیالی اگر ہم اپنے
دل کی لَو بر اے نام ہی اُس پیارے مالک کی طرف لگادیں اور ہر ایک کام
کے شروع میں یہ غور کرتے رہیں کہ یہ کام اُسکی مرضی کا ہے یا نہیں تو پھر کوئی
شک نہیں کہ ہمارے کاموں میں ایسی بے انتہا برکتیں پائی جاویں کہ

پھر ہمکو کسی مکر و فریب کی ضرورت نہو سچا بھروسہ کر تو دیکھو سچے برتاؤ برت تو دیکھو۔

ہمیں توفیق دے یارب چلیں ہم راہِ مولیٰ پر
ہماری زندگی گزرے رضائے حقتعالیٰ پر

کریں دنیا کو دھندے دلمیں جوشِ یادِ باری ہو
جبیں یارب خدا پر پشتِ پا ہو فرقِ دنیا پر

تری مدحت کا دعویٰ ہم سے کیا ہو ہم ہیں کس لائق
ملائک کرتے ہیں توصیف تیری چرخِ مینا پر

لسانِ حال سے ہر برگ کرتا ہے ثنا تیری
تری تسبیح جاری ہے زبانِ موجِ دریا پر

شیونِ قدرتِ خالق کو نظارہ سے حیرت ہے
ہجوم جوش ہے پیہم مری طبعِ مصفا پر

فضائے کون میں مہرِ درخشاں ایک ذرہ ہے
پھرے اڑتا جھپٹ ہو کر تری قدرت کا عنقا پر

دلوں کو پاک کر یارب خیالاتِ پریشاں سے
بہت چھائی ہے تاریکی قلوبِ اہلِ دنیا پر

پھریں کسواسطے ہم ہو کے پیچھے ناتوانوں کے
جگہ ہو جبکہ مل سکتی ہمیں بابِ توانا پر

وہ خالق جو کہ ہے بے شبہہ بیشک دائم و قائم
وہی حاکم زمینوں پر وہی عرشِ معلےٰ پر

کلیمِ طور کو رتبہ دیا قربت کا خود اُسنے
اُسی نے رکھ دیا تاجِ نبوت فرقِ عیسیٰ پر

اُسی نے زیست کا پھونکا ہے دم نتھنوں میں آدم کے
نعیمِ خلد کی جائز اُسی خالق نے حوا پر

اُسی کے آستانے پر ہمیں لازم ہے سر رکھیں
کھلا ہے اُسکا بابِ رحم ہر ادنیٰ و اعلیٰ پر

الٰہی تشنہ لب ہیں ہم ہمارا خضرِ رہ ہو کر
کرم سے تو ہی پہنچا دے ہمیں رحمت کے دریا پر

ترے در پر ترا دریوزہ گر ہے احمدی حاضر
کھڑا ہے ناتواں امیدِ امدادِ توانا پر

نمبر (۳)

خواب احمدی

تحیر خیز ہے افسانہ میرے خواب شیریں کا
مسرت بخش عالیشان اک ایوان ہے زیبا

پلک جھپکی مری شب فرش راحت پر تو کیا دیکھا
لگا ہے پیش دربار از نعمت ہائے الوانکا

شہنشاہانہ بار عام کا ہر سمت ہے چرچا
مقدس صورتیں پھرتی ہیں کرتی اہتمام اُسکا

تعجب تھا یہ کس کے ٹھاٹھ ہیں کیوں ہیں بپا کیا ہے
کوئی بانی ہے اسکا یا طلسم حیرت افزا ہے

یہ سب جسکے ملازم ہیں کہاں وہ کارفرما ہے
پلی پڑتی ہے خلقت دمبدم کسکی تمنا ہے

کہا اک سادہ دل نے فکر و حیرانی سے باز آؤ
کوئی بانی نہیں ہے پرسش بانی سے باز آؤ

مہیا خود بخود سامان ہوتے رہتے ہیں ہر دم
یہ باتیں ناگوار طبع تھیں میرے لئے پیہم

جو ہوتا کوئی بانی دیکھتے اُسکو کبھی تو ہم
ابھی کرنے نہ پایا تھا میں استدلال کیف و کم

کہ اک معجز بیان مرد سہی بالا فرشتہ خو
خراماں آکے یوں بولا کہ لا غفار الا ہو

کہا اُس سادہ دل سے بندۂ کج فہمی کا کر فتر
کبھی آنکھوں سے تو نے عقل بھی دیکھی ہے اے مضطر

نظر آتا ہر اک جو شے کا شرط ہو کیونکر
کہیں قوت بھی دیکھی ہے مجسم اندر اور باہر

یہ ہیں لیکن نظر آتے نہیں کیسا اچنبھا ہے
مگر کیا انکے ہونے میں ذرا بھی تجھکو شبہا ہے

جب ان اشیا کو حاصل اسقدر عمدہ لطافت ہو
زباں تو پر ہوں پرچے مخلوقمیں فکر عظمت ہو

روای حاجت اہل جہاں ہیں وہ خلق قدرت ہو
رہیں آنکھوں سے پنہاں پہ عیاں عالم میں شہرت ہو

پھر اُس بانی کو تو ہونیسے منکر ہے خطا پر ہے
ترے سر کی قسم ناداں ہے جھوٹے ادّعا پر ہے

تری آنکھوں میں شاید نیند ہے سوتے سے اٹھا ہے
تو متوالا نہیں آنکھوں میں تیری نشہ کیسا ہے

کھلی آنکھوں یہ سب کچھ بجھتا ہے اور ہیکت ہے
مرے ہمراہ ہو دکھلا دوں تجھکو جو تمنا ہے

یہی مقصود اصلی ہے ہر اک کا یاں کے آنیسے
مبادا خالی پھر جائے تو ایسے آستانے سے

لیا ساتھ اُسکو اور چشم عنایت سے مجھے دیکھا
مرے ہمراہ چل پھونچاؤں تجھکو تا در والا

محبت سے کہا اس ات تو ہی مہمان یاں کا
گئے ہمراہ ہم دونوں تو پھونچا کر یہ فرمایا

ٹھکانا ملگیا اچھا اٹھاؤ آنکھ لو دیکھو
ادب سے ٹکٹکی باندھو بطرز شوق وو دیکھو

کھلا ہے باب عالی اہل حاجت بار پاتے ہیں
مودب سجدہ کرتے سر کے بل مشتاق آتے ہیں

ملائک مہتمم ہیں اپنی سرگرمی جتاتے ہیں
فلک کا شامیانہ بہر آرائش سجاتے ہیں

تقاضا ہے کہیں فرش زمیں میں شکن رہ جائے
فلک کا ست پہ خیمہ ہے دیکھو بل نہ رہ جائے

سلیقہ سے صبا جاروب کی خدمت بجا لائے
قضا اسباب کی ڈوریں ہر اک سو ٹھیک کھچوائے
قرینہ سے بہار ڈونگی قدر گل میخیں گڑوائے
اشارہ ہو تو ہی سقائی باران مشکیں بھر لائے

جہاں جیسی ضرورت ہو کرے چھڑکاؤ تھم تھم کر
کہیں ہلکا سا چھینٹا دے برس جائے کہیں جم کر

قناتیں شش جہت کی ہوں نصب ہموار ہر اک سو
ہوا اول دریں اک سو علم اک سو جبل کا بازو
رہیں کونین کے در اسمیں عالیشان دو پہلو
در ثانی پہ ہو منقوش لا غفار الا ہو

لگائیں صحن میں اک سمت پائیں باغ دنیا کا
گیا ہو جس کی اک کھڑکی سے رستہ شہر عقبیٰ کا

درون خیمہ قندیلیں ستاروں کی منور ہوں
زبہر بادکش رانی ہوائیں کھولے شہپر ہوں
مہ و خور کی دو طرفہ لالٹینیں نور گستر ہوں
چراغ افروزی کو آتش کے مشعلچے مقرر ہوں

قدم کے طاقچوں پر چلمنیں لٹکائیں امکاں کی
کہ ہر اک سمت سے آئیں صدائیں انت سبحانکی

عنایت ہوتے ہیں جانوں کو موزوں جسم کے خلعت
تمنائیں لٹی جاتی ہیں جاہ و حشمت و شوکت
تہی دستوں کی بن آئی ہوا ہے داد و دولت
خزانہ لٹ رہا ہے پر بقدر دامن ہمت

ہجوم بندگاں ہے وہوم ہے معبود کے در پر
فدایانِ الٰہی آؤ بابِ ربِّ کعبہ پر

ادب اے دیدۂ بینا یہ بابِ کبریائی ہے
لحاظ اے گوشِ شنوا موقعِ یزداں ستائی ہے
فراق اے خودپسندی جوشِ شوقِ جبہہ سائی ہے
الگ رہ فکرِ دنیا ہم ہیں اور مدحت سرائی ہے

کمو تشویشِ دل سے اپنا بدہنا بوریا باندھے
حسد کمبل اُٹھائے اور تعصب بسترا باندھے

یہ وہ در ہے جہاں کی انبیا نے جبہہ فرسائی
اسی در پر ملائک کرتے رہتے ہیں جبیں سائی
یہ وہ در ہے جہاں پاتے ہیں سائل چتر دارائی
یہیں ہوتی ہے اصلاحِ خیالاتِ من و مائی

یہیں پر روشنانِ چرخ کسبِ نور کرتے ہیں
اسی در کی گدائی قیصر و فغفور کرتے ہیں

یہی ہے وہ درِ دولت ازل سے جسکی عظمت ہے
کسی غرفہ سے اس در کی نمایاں شانِ وحدت ہے
یہی وہ بابِ عالی ہے ابد تک جسکی رفعت ہے
پراگندہ نقاب اک سمت کو لیلائے کثرت ہے

اسی در پر کلیم اللہ مشتاقِ تجلی تھا
اسی در پر خلیل اللہ جویائے تسلی تھا

ملی آدم کو سیرِ گلشنِ جنت اسی در سے
فلاطون و ارسطو کو فنِ حکمت اسی در سے
سلیماں کو نگیں کو شہرت و برکت اسی در سے
سکندر ہو کہ دارا سب کو ہے شوکت اسی در سے

یہیں کرتے ہیں مشتاقو ملکہ دل اور اک عرفان کا

چمک جاتا ہے جانبازوں کے رخ پر نور ایماں کا

اسی در پر کیا کرتے ہیں صوفی سبحہ گردانی — دل عشاق ہو جاتا ہے فرط شوق سے پانی
یہیں کہلتی ہے اکثر سرگزشتِ باقی و فانی — اسی جا ہوتی ہے طے بحث آغازی و پایانی

یہیں کے معتکف مستی میں شرح راز کرتے ہیں
بیان کنت کنزاً مخفیاً آغاز کرتے ہیں

نبی ہوں یا ولی زلّہ ربا ہیں سب اسی در کے — ذکی ہوں یا کہ شیدا ہوں گدا ہیں سب اسی در کے
ہوں حاجتمند یا حاجت روا ہیں سب اسی در کے — یہی مرجع ہے ہم سب کا فدا ہیں سب اسی در کے

اسی در کی بدولت دعوئ مشکل کشائی ہے
اسی در کی بدولت منصب حاجت روائی ہے

اسی منبع سے موجیں اُٹھ کے بہنے لگتے ہیں دریا — سمندر موجزن بن بن کے مٹتے ہیں حباب آسا
ازل کیا سو ازل پہلے یہی جوش ہمیں قائم تہا — ابد کیا لاکھوں گذرینگے ابد پر یہ نہ کم ہو گا

اُنہیں ساحل شکن موجوں سے یہ موّاج بہتا ہے
رہیگا یوں ہی بہتا جس نمط سے آج بہتا ہے

عنایت ہمکو اس در سے ہوئی ہیں نعمتیں کیا کیا — کریں کس کس کی گنتی ہو نہیں سکتا شمار اُنکا
کسی محنت کے بدلے میں نہیں یہ بحر فیض ابڈا — بتاؤ آنکھ کے بدلے کیا ہے نذر ہمنے کیا

دیا ہے کان کے بدلے میں کیا سنکر کوئی بولے
دیا ہو جسنے بدلے نطق کے کچھ وہ زباں کہولے

ملائے ہاتھ وہ جسنے کیا ہو ہاتھ کا بدلا
قدم آگے بڑھائے جسنے پا کا ہو عوض سونپا
یہ حسنِ صورت و لطفِ طبیعت قامتِ رعنا
یہ صوتِ دلکش و تقریرِ موزوں پیکرِ زیبا

عطیہ بے سبب ہے کردگارِ بندہ پرور کا
خداوندِ مقدس بے نیاز لطف گستر کا

دلوں میں لو لگی جسنے ابھارے جوش سینوں میں
شجاعونمیں تہور دلبری نازک حسینوں میں
الوالعزموں میں ہمت صبر تنہائی گزینوں میں
اثر جادو کا بخشا نطق معنیٰ آفرینوں میں

بطونِ تنگ سیریں کی وہ عقلِ نکتہ داں پیدا
کیا ہے فکر سے صنعت کا جسنے اک جہاں پیدا

مٹی رہتی ہے استدراک مجہولات میں ہر دم
جو کی معلوم شئے اسپر لگایا حکم کیف و کم
قوی اور علم کے جب چلتے پرزے ہو گئے ہمدم
تسلی ہوتی ہے ترکیب اشیا کرتے ہیں باہم

یہی بس کائنات اس جوہرِ نایاب کی پائی
بس اتنی ہی چمک اس گوہرِ خوش آب کی پائی

کرو انصاف کچھ حق بھی ہے ہم پر ایسے سلطاں کا
کیا ہے جسنے وا ہم پر ازل سی باب احسانکا
تنِ تیرہ کو بخشا نور روشن نیرِ جاں کا
قبائے جسم کو تارِ نفس سے خوشنما ٹانکا

کلاہِ ناز کر تمنا بنی آدم عنایت کی
تمیزِ حق و باطل فکرِ بیش و کم عنایت کی

ستم ہے اسکا در ہم چھوڑ کر بھٹکے پھریں در در
سمندر کی عوض میں ہاتھ پھیلائیں حباب اوپر

نہ ڈھونڈیں باغبانکو گلبنوں کی ٹہنیں ہوں ششدر — نہال سبز جو دیکھا لگا بیٹھے وہیں بستر

نہ سمجھے ہر نہال اک روز پامالِ خزاں ہو گا
قیامِ صحنِ گلشن تا رضائے باغباں ہو گا

بجز اسکے کوئی ہے بھی کہ برسادے کبھی پانی — دکھادے ابر کے دامن میں بجلی کی درخشانی
سمجھتا ہے کوئی سینوں کے اندر رازِ پنہانی — سوا معبود تکیہ کریں ہم وائے نادانی

نوآوارگی یارب ہمیں بچے تمہارے سے
تلاشِ قطرہ میں کیوں جائیں دریا کے کنارے سے

کوئی ہے دوسرا جو خاک کے پتلے میں جی ڈالے — یہ قدرت بھی کسی کو ہے کہ سب مخلوق کو پالے
کوئی انسان دو ساعت تو اپنی نفس ٹھیرالے — عنانِ توسنِ عمرِ گزشتہ پھر تو پلٹا لے

عدم سے لا نہیں سکتا ہے انساں ایک ذرّہ بھی
بنا سکتا نہیں کوئی بشر چھوٹی سی چڑیا بھی

ہمیں لازم ہے سچے صانعِ برحق کے قائل ہوں — رضا جوئی میں اُسکی جان سے اور دل سے مائل ہوں
اُسیکی ناوکِ الفت سے دل سینوں میں گھائل ہوں — اُسی کے لطف پر نازاں اُسی کے در پہ سائل ہوں

اُسی کے بابِ عالی پر جبائے بستر رکھیں
اُسی کی آرزو رکھیں اُسی کا آسرا رکھیں

عجب برتاؤ ہیں ہمسے ہمارے بندہ پرور کے — کہ خود اشیا مہیا کیں عطا کیں ہمکو بن مانگے
اُسی کی بخششوں سے دیں جو کچھ ہم راہ میں اُسکے — تو ہم سے شاد ہو صد چند ہمکو اسکا بدلا دے

کرے محشر ہمارا خاص بندوں کی جماعت میں
ہمارا پیش خیمہ پہونچے کوشکہائے جنت میں

کریں ہم اپنے ہمجنسوں کی خدمت اور دوشیاواں ہو
جب اس شفقت سے ابر فضل یزداں قطرہ افشاں ہو
ہم اپنے بھائیوں سے صاف دل رہیں فرحاں ہو
ہمارا مزرعۂ دل کیوں نہ رشک صد گلستاں ہو

رضاجوئی میں اسکی ہم فنا ہو جائیں تو اچھا
طلب میں اسکی خود گم ہو کے اسکو پائیں تو اچھا

مرے مشفق نے ان الفاظ سے کی جب دُر افشانی
بڑھی کچھ ایسی جوش بحر ذکر حق کی طغیانی
ندامت کے سبب وہ سادہ دل ہو ہو گیا پانی
ہوئیں سب کشتیاں اوہام کی بہہ کر طوفانی

بس اتنے میں مؤذن نے اذاں دی اٹھ کے بستر سے
میں جاگ اٹھا صدائے دلکش اللہ اکبر سے

الٰہی نور ہو جانیکا خواہشمند ہے خاکی
ہما سے بازیِ پرواز ہے اس مشت پرپا کی
شکستہ دام ہے پر ہے تمنا صید عنقا کی
زمیں کا رہنے والا چاہتا ہے سیر افلاک کی

گوارا کسلئے کرتا ہے فیض سرمدی تیرا
جدا تجھ سے رہے مشتاق تیرا احمدی تیرا

نمبر (۴)

قدر وقت

زمزمہ سنج ہے گلشن میں زبان سوسن
عارضی رنگ پہ پہولو نہ دکہا کر جو بن

گل و بلبل سے یہ کہتی ہے کہ اے اہل چمن
سانس دو سانس موافق ہے ہوائے گلشن

بول لو ہنس لو مگر ناز و تبختر نہ کرو
خود کو اس باغ میں پایندہ تصور نہ کرو

یاران بزم کیا ہم اسٹ میں کیا ہمکو بارگاہ آفریدگار سے دستاویز ابدیت ملی ہے - میرا یہ ابتدائی فقرہ کوئی مجذوب کی بڑ نہیں ہے - میں کچہہ کہنا چاہتا ہوں -

شعر

زبان شوق گرم عرض مطلب ہے اگر سنیئے
شکستم مہر لب گر نیز از گوشت بروں آری

ہم اور ہمارے ابنائے جنس قدرتی طور پر تین حالتوں پر خود کو گذرتا ہوا دیکہتے ہیں یعنی گزشتہ و موجودہ و آیندہ - پس ان حالتوں کے متعلق ماضی و حال و استقبال میں زبانوں کی نسبت وقتاً فوقتاً حکما نے جو بحثیں کیں

وہ کتب حکمت میں موجود ہیں۔ مجھکو آپ صاحبوں کے روبرو وہ علمی مسائل بیان کر کے عقول حکما پر محاکمہ کرنا مقصود نہیں۔ میں سیدھے سادے الفاظ میں وہ امور بیان کرونگا جو آج عملاً اختیار کرنا چاہئیں۔ شعر

گذرنا تھا سو گذرا اب بھی لطف وصل ممکن ہے،

کریں جو کچھ ہے کرنا ہمت مردانہ رکھتے ہیں

ہماری ہر ایک حالت قابل قدر اور ہر ایک وقت کا ایک ایک سانس بہت بہا قیمتی ہے۔ ہمکو اپنی ہر ایک حالت کے متعلق یہ جانچ کرنا ضرور ہے کہ کس حالت سے کیا نفع یا آسایش ملسکتی ہے یا دفع مضرت وحصول آسائش کے تجربے ملسکتے ہیں۔ جب ہمارے نفس کو ہمارے وقتوں کی جانچ کی طرف میلان ہوکر رفتہ رفتہ صحیح جانچ کا ملکہ ہوجاوے گا تب ہماری طبیعتوں میں سرور افزا اُمنگیں خود بخود جوش زن ہونگی اور ہماری عالی ہمتی کی بلند پروازی کے واسطے وہی ہماری صحیح جانچ کے نتائج بالِ ہما کا کام دینگے۔ ہمارے اسلاف یا گذشتہ الوالعزموں نے جنکے نام نامی ابد تک دنیا کے صفحہ پر منقوش رہینگے اپنے وقتوں کی صحیح جانچ کی ہے۔ اور اُس سے کامیابیاں حاصل کی ہیں دنیا کی تاریخ میں ایک نامور شخص بھی ایسا نہ ملے گا جسنے اپنے وقتونکی جانچ نہ کی ہو۔ میں ان نامور اشخاص کو جنہوں نے وقتونکی قدر کی ہے تین تین گروہوں میں اپنے فرضی خیال کے مطابق تقسیم کرتا ہوں اسی کیسا نہ

یہ بھی کہتا ہوں کہ گو اُن نامور شخصاص کی کامیابی کے مدارج یکساں نہوں
الا ہر فرد واحد کو اُن میں بقدر رتبے کے استحقاق تعظیم حاصل ہے اور ہر فرد
ایسے گروہ کا اپنے ابنائے جنس میں قابل وقعت ہے۔ میں اپنی فرضی تقسیم
میں ایک گروہ کا نام **حال پرست** دوسرے گروہ کا نام **انجام بیں**
تیسرے گروہ کا **سعید کامل** قرار دیتا ہوں اور پیشتر اس سے کہ اپنی اس
فرضی تقسیم کی صراحت کروں یہ التماس کرتا ہوں کہ منجملہ تین حالتوں کے گذشتہ
حالت ہمیشہ ایسی ہو جاتی ہے کہ آیندہ حالتوں میں صرف اُس حالت کے
افعال کے نتائج کے سوا نفس حالت کا کوئی اثر باقی نہیں رہتا۔ **شعر**

مقدر سے ملا کرتی ہیں غافل وصل کی راتیں
سحر ہونیسے پہلے نوش جام کامرانی کر

پس قابل قدر موجودہ حالت ہے اور قابل فکر آیندہ حالت۔ کیا معنی حالت
موجودہ میں ہم اپنی محنتوں سے اُن مطالب کے حصول میں کامیاب کوشش
کرسکتے ہیں جو نہایت اعلیٰ سمجھی جاتی ہیں اور جنکے نتائج آیندہ حالت میں بھی
ہمکو حاصل ہو سکتے ہوں۔ اب میں اپنی فرضی تقسیم کی صراحت کرتا ہوں لیکن
پیشتر اس سے کہ میری زبان سے کوئی حرف نکلے یہ بیان کرنا ضروری جانتا ہوں
کہ میں اپنی اس تقریر میں اسوقت جو مطالب عرض کرونگا وہ میرے ذاتی
خیالات ہیں۔ ان خیالات کے حق بجانب ہونیکی بابت مجھکو کچھ دعویٰ نہیں

میرا صرف یہ کام ہے کہ ما فی الضمیر ظاہر کروں پر حضرات وقیقہ رس مطالب تقریر پر ذہنی محاکمہ کرکے امتیاز حق و باطل خود کر سکتے ہیں۔ آمدم برسر مطلب جس گروہ کا نام مینے اپنی فرضی تقسیم میں حال پرست رکھا ہے اُس سے میری مراد اُن لوگوں سے ہے جنہوں نے صرف دنیوی کاموں میں اولی العزمیاں کیں اور مدارج عالیہ حاصل کئے مگر امور عاقبت کی طرف نہ کچھ توجہ کی نہ اسمیں کوششیں کیں اس محل پر یہ ظاہر کردینا ضرور ہے کہ امور عاقبت سے سوقت فی الذہن میری کیا مراد ہے۔ میں لفظ عاقبت سے اسوقت اپنی خیالی اصطلاح میں وہ حالت مراد لیتا ہوں جو انسان کو اس خاکی جسم چھوڑ دینے کے بعد پیش آتی ہے۔ اور ہر ذی حیات کو ناگزیر پیش آنی ہے۔ اور جس گروہ کے افراد کو انجام بیں بیان کیا ہے وہ وہ قابل ادب حضرات ہیں جنہوں نے اپنے دامن کو غبار لوث دنیا سے پاک رکھا اور دنیا کے عیش و تنعم کو ہیچ و پوچ سمجھکر حصول قربت پروردگار کی تمنا میں ریاضت شاقہ کرکے جانبازیاں کیں۔ گروہ سوم کے افراد میں وہ مقدس اور برگزیدہ حضرات داخل ہیں جنہوں نے انتظام دنیوی میں بھی خود کو رہنمائی عالم یا نفع رسان خلق ثابت کیا اور تمتعات دنیا سے بقدر جائز حصول عیش بھی کیا اور عاقبت کے لئے اعمال نیک کا ذخیرہ فراہم کر لے گئے سامعین انصاف کر سکتے ہیں کہ فی الحقیقت بازی کس گروہ کے ہاتھ رہی یہ بیان کرنا مناسب محل ہے کہ قاسم حقیقی کا بازار

انجام ابدی رونق کے ساتھ کھلا ہوا ہے۔ اُس میں سب سامان موجود
ہیں ہر ایک خریدار اپنے مذاق کے موافق اشیاء خریدتا ہے۔ گروہ اول
کے اولی العزم کامیاب لوگونکو عام اس سے کہ شاہان نامدار ہوں یا امرائے
کبار یا تجار ہوں مینے اس وجہ سے اپنی فرضی اصطلاح میں حال پرست کہا ہے
کہ اُن صاحبوں نے اپنی جفاکشی کا استعمال محض حصول دنیا کے واسطے کیا
اور اس حصول کے لالچ میں نہ حق و باطل میں امتیاز کیا نہ مکر و فریب یا غصب
و ظلم کے ارتکاب سے پرہیز کیا بلکہ حصول زر و حصول تنعم کی دُھن میں جو بن
پڑا کر گذرے۔ مگر اُنکی کوششونکے نتائج تجمّل ظاہری اور عیش پسندی
تک محدود رہے اور اُنکے دریائے تمنا کی پرجوش موجیں استحصال لذّات
کے بھنور تک پہونچ پہونچ کر نیستی ہوتی گئیں۔ قدرت نے اپنی عام فیاضی
سے اُنکی کوششونکے نتائج دینے میں بخل نہ کیا لیکن اُنکا حال بالکل اُس
جواری سے مطابق ہوا جو جوا کھیلنے کے فن میں اعلیٰ درجے کا مشاق ہو کر
یاران ہم پیشہ کی تھیلیاں خالی کردے اور آخر کار اپنا اندوختہ کھو کر خالی
ہاتھ اُٹھ جاوے یہاں یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ ایسے لوگونکو جنکا انجام
نامحمود ہوا ابتدائی عبارت میں قابل قدر کیوں بیان کیا گیا ہے تو اس کا
جواب یہ ہے کہ ایک اور گروہ بیان سے رہگیا جسکے افراد کو میں اپنی فرضی
اصطلاح میں شقی کے لقب سے پکارنا چاہتا ہوں اور وہ گروہ ہے

جو کاہلی سے کچھ کرنا نہیں چاہتا اور باوصف طاقت جسمانی اور قدرت کے ہاتھ پر ہاتھ رکھکر بیٹھے رہنے کو پسند کرتا ہے باوجو صحت وسلامتی اعضا کے اپاہجوں کی طرح دوسروں کے ہاتھ کی طرف نظر رکھتا ہے۔ اُس کاہل گروہ کے مقابلے میں بہرحال پرست گروہ کہیں بہتر ہے کیا معنی اُسنے کچھ حاصل تو کیا۔ دوسرے اور تیسرے گروہ کے افراد جسکو انجام میں اور سعید کامل کے نام سے مینے یاد کیا ہے بالاتفاق بہترین افراد عالم میں شمار ہوتے ہیں پس میری رائے میں دانشمند وہ لوگ ہیں جو موجودہ حالت کو ایسے کارآمد مشاغل میں صرف کریں جسکے بہترین نتائج حالتِ موجودہ میں بھی نصیب ہوں اور حالتِ آیندہ میں بھی ملیں۔

نظم

فکر آج کی اندیشۂ فردا بھی کر
اب بھی کر عیش اور آیندہ تمنا بھی کر

روز سرمستی صہبائے تغافل کیسی
ہے بشر اپنی پس وپیش کو سوچا بھی کر

کون ہے تیرا بھی خواہ زیادہ تجھہ سی
خویش وبیگانہ کو انصاف سے جانچا بھی کر

بعض اوقات کو کر فکر معیشت میں صرف
وقت پر یاد خداوند تعالےٰ بھی کر

شاید کسی صاحب کو یہ خیال ہو کہ حالتِ آیندہ اگر اسی زندگی کی آیندہ حالت سے مراد ہے تو ہر فرد بشر بقدر عقل وقوت آیندہ حالت کے واسطے ذخیرہ

خود ہی جمع کرتا ہے اس میں ہدایت کی حاجت کیا ہے اور اگر آیندہ حالت سے
مراد وہ حالت ہے جو انسان کو بعد چھوڑ دینے اس جسم خاکی کے پیش آویگی
تو وہ ایک غیر معلوم حالت ہے اُسکی فکر کی کیا ضرورت ہے پس اسکا جواب
پابندان مذہب کے واسطے نوصاف ہے کیا معنی ہر ایک پیشوائے
مذہب نے اپنے علم اور صفائے باطن کے مطابق حالت آیندہ کو بیان
کردیا ہے ہر ایک مذہب کے پیرو اپنے پیشوا کے حکم پر یقین رکھتے ہیں
ہاں جن صاحبوں کے ذہن میں مذہب کوئی قابل وقعت شئے نہیں اُن سے
میں محض دردمندانہ جوش کے اقتضا سے عرض کرتا ہوں کہ روح انسانی
جسکو نفس ناطقہ کہتے ہیں جسم خاکی کے ساتھ فنا نہیں ہوجاتی اسکے فانی
نہ ہونے کی بابت خاص خاص طرز بیان پر سب مذاہب کی کتب مذہبی میں
مفصل ذکر ہے کتب معقول میں بھی کافی دلائل موجود ہیں میرے ذہن میں بھی
کثیر براہین موجود ہیں اس موقع پر اُن براہین کا تفصیلی ذکر کرنا درحالیکہ کسی
صاحب کو ضرورت استفسار نہیں بے سود ہے۔ غرض جبکہ نفس ناطقہ
بعد چھوڑ دینے اس خاکی جسم کے باقی ہے تو کیا شک ہے اُسکے اعمال
کی جزا و سزا ضرور اُسکو ملیگی پھر کیوں موجودہ حالت زندگی میں آیندہ حالت
کی فکر نہ کیجائے ہماری اس موجودہ زندگی کی حالتوں میں بھی شبانہ روز یہ
تجربے ہوتے ہیں کہ جس موجودہ حالت میں کوئی آیندہ نتیجہ دینے والا

کام کیا جاتا ہے اُس کام سے بعد گزر جانے حالتِ موجودہ کے حالتِ آئندہ میں اچھا یا بُرا یعنی جیسا کام کیا گیا ہو نتیجہ ملتا ہے۔ اگر کوئی شخص ایک وقت میں ایک عالیشان محل بناتا ہے یا ایک بار آور اشجار کا باغ لگاتا ہے پس وہ وقت جس میں مکان بنایا یا باغ لگایا گذرجاتا ہے مگر وہ صاحب ہمت مدت تک اُس محل کے حجروں کی آسایش پاتا ہے اور دراز زمانہ تک اپنی ہمت کی بدولت باغ کے لذیذ میوے اور پھل کھاتا ہے۔ علی ہذا القیاس جب کوئی شخص ایک وقت میں کسی کی چوری کرتا ہے یا فریب سے مال لے لیتا ہے یا رستہ لُوٹتا ہے تو حالتِ آیندہ میں ضرور اُسکی پاداش میں قیدخانہ اور جرمانہ اور تاوان کی سزا بھگتنا پڑتی ہے۔ یہ حال ہماری موجودہ حالت زندگی میں رات دن پیشِ نظر ہے اب قیاس کرنا چاہیے کہ وہ مقدس اور پاک خداوند جو ہمارے کُھلے اور چھپے بھیدوں پر اچھی طرح مطلع ہے اُسکی پیشگاہ سے ہمکو ہمارے اعمال کی جزا و سزا کیوں نہ ملیگی کیا اُسکے گنجِ انعام میں کچھ کمی ہے کہ ہمکو جزاے اعمالِ نیک نہ دے۔ یا وہ قدرت نہیں رکھتا کہ ہمارے اعمالِ بد کی سزا نہ دے سکے۔ ہمارے ابنائے جنس کے ناتمام خیالات حقیقی کامیابیونکے سدِ راہ ہو جاتے ہیں بعض صاحب اپنے کاہلانہ خیالات پر لفظ تقدیر کا نقاب ڈالکر اوقاتِ عزیز بدہمتی سے ضایع کرتے ہیں بعض حضرات فنافی التدبیر ہو کر انا و لاغیری کا دم بھرتے ہیں میری خیال

میں اگر میں غلطی پر نہیں ہوں اول الذکر حضرات کی دنیا خراب ہوتی ہے اور آخر الذکر حضرات سکے عقیدے مذہبی میں نقصان آجاتا ہے حالانکہ لازم یوں ہے کہ یہ دونوں خیالات اپنی حد اعتدال پر قائم ہوکر اُنکو لازم ملزوم سمجھنا چاہئیے یہ کب مناسب ہے کہ پابندان مسئلہ تقدیر امور واجب السعی کو بھی محول بہ تقدیر کرکے ترک کوشش کریں اور اس ذاتی بدہمتی کی بدولت مصائب جہل وفلاکت میں گرفتار ہوں ادنیٰ غور سے معلوم ہوسکتا ہے کہ یہ مسائل جن پیشوایان مقدس کی زبانوں سے اولاً ظاہر ہوئے اور ہم تک نوبت بنوبت پہونچے اُنسے زیادہ ان مسائل کا سمجھنے والا کون ہوسکتا ہے پھر اُن مقربان بارگاہ آفریدگار نے کیوں ترک سعی نہ کی۔ یہ بھی کسیطرح پسندیدہ امر نہیں معلوم ہوتا کہ خوش اعتقادان مسئلہ تدبیر نے جو امور معیشت سکے حصول میں کمرہمت باندہی اور قدرت نے کمال فیاضی سے اُنکی محنتوںکے ثمرات اُنکو بخشے تو حصول نتائج کی وجہ سے یہ خیال پختہ کرلیا جائے کہ امور کائنات ہماری ہی کوششوںکے ساتھ وابستہ ہیں شاید میں اپنی کسی تقریر سابقہ میں لکھہ چکاہوں کہ ہم یا ہمارے ابنائے جنس اشیائے کائنات میں کسی ایک شئے کے بھی خالق نہیں ہماری کائنات صرف اسقدر ہے کہ خدا کی پیدا کی ہوئی اشیا کو اپنی مرضی کے مطابق ترکیب دے لیتے ہیں۔ وہ بھی عقل کی بدولت جسکا خالق بھی وہی خلاق اکبر ہے۔

حاصل مطلب یہ ہے کہ پابندان مسئلہ تقدیر نے بدہمتی اختیار
کی اور پابندان مسئلہ تدبیر کے دماغوں میں ایسی خود پسندی سمائی کہ رفتہ
رفتہ ارتکاب منہیات کرنے لگے اُن میں نہ راستبازی کی پابندی پائی
جاتی ہے نہ حفظ حقوق کی پس یہی موثر اسباب ہمارے گلشن امید
کو کامل بہار تک نہیں پہونچنے دیتے۔ اگر ہمارے ابنائے جنس ان امور
کی اصلاح کرکے عالی ہمتی کے ساتھ صرف کوشش کریں تو پھر دیکھو ہمارے
اقبال اسی طرف رجوع کرتا ہے یا نہیں۔ شبانہ روز میں ہم اپنے امور
معیشت میں دلی کوشش کے ساتھ اگر روزانہ دو پہر بھی پوری محنت کریں اور
حصول دولت کے واسطے امور جائزہی کے وسائل تلاش کریں ناجائز
وسائل کا دھیان بھی نہ کریں اور جو کچھ ہمکو حاصل ہو اُسکو انصاف کے ساتھ
اپنے متعلقین اور اہل حقوق پر تقسیم کریں اور سب انسانونکو اپنا بھائی
سمجھیں اور ہر ایک کام کی ابتدا میں استرضائے خالق اکبر کا دھیان کہیں
اور معین وقتوں پر اُس یگانۂ بے مثل کی پرستش کرتے رہیں پھر دیکھو کہ ہماری
موجودہ حالتیں کس پایہ تک پہونچتی ہیں جس صاحب کو اس تقریر میں شک ہو ایک
سال بھر ہی ان امور کا التزام کرکے دیکھ لے۔

اے ہمارے سچے پروردگار اور اے بے نیاز خدا و ندہم کیا اور
ہماری ہمتیں کیا تو اپنی عنایت سے ہمارے دماغوں میں عقل سلیم اور دلوں

میں جوش عالی ہمتی دے کہ ہم سے کچھ بن پڑے۔ تیرا ہی فضل ہم بیکسوں کا نام اُن برگزیدگان بارگاہ کی فہرست میں داخل کرسکتا ہے جو سعید کامل ہو گزرے ہیں۔

نمبر (۵)

سیرِ باغ

مسافر ہے تو اے گلزارِ امکاں کے تماشائی
ذرا چشمِ بصیرت کھول گر رکھتا ہے بینائی
کہاں تک لہلہانہ خود پسندی اور خود آرائی
ترے کس کام آئینگے خیالاتِ من و مائی

اُڑی خوشبوئے گل ہے رنگ روئے نسترن پھیکا
بعجلت پھول چن ہونیکو ہے رنگِ چمن پھیکا

خرامش کب تلک کبکِ دری کے قہقہے کبتک
کہاں تک فصلِ گل سروِ سہی کے لہلہے کبتک
خیاباں میں رہینگے بلبلوں کے چہچہے کبتک
تو حرفِ وعدۂ گل کبتک فلک اے چنگ زنی کبتک

کریگا کب تلک مشقِ خرامِ ناز مستانہ
رہیگا تا کجا محوِ قدِ دلجوئے جانانہ

بندھینگے تازہ مضموں کب تلک گیسوئے سنبل پر
سخن چینی رہیگی تا کجا تقریرِ بلبل پر
تراشے جائینگے فقرے عبث برگ و رگِ گل پر
تری ٹپکے گی کب تک رال موجِ بادۂ مل پر

رہے گا تا بہ کے صرفِ خیالِ مطرب و ساقی
سمجھنا ہے کچھ اپنا بھی حسابِ اصل و باقی

تو مستاجر نہیں آیا ہے بنکر باغ امکاں کا
مگس بنکر گرے پڑنا بڑا ہوتا ہے مہماں کا
نہ اشتہار اپڑھا ہے تیرے نام سلطاں کا
بہت کچھ تو نظارہ کرچکا سنبل کا ریحاں کا
اٹھا بستر نئے سیاح اب یاں آنے والے ہیں
جو ہیں موجود وہ سب آگے پیچھے جانیوالے ہیں

بہت کچھ تو نے گلچھرے اڑائے باغ میں آکر
بہت روندے گل تر کروٹوں میں سیج سجوا کر
اگر بیٹھا تو اترا کر چلا اٹھکر تو اٹھلا کر
ہوا برہم تو پر بلبل کے پھینکے تو نے نچوا کر
ٹھکانا ہے کہیں بدخو تری عالی دماغی کا
رہا ہر حال میں دل دادہ اپنی خوش نوائی کا

کبھی بیدرد طاؤس گلستاں ذبح کروائے
ہوئی تفریح جب بے کینہ طائر تو نے لڑوائے
بلا سے تیری گر اک بے زبانکے جی پہ بن آئے
تری پاپوش سے نُچ ہوئے یا چونچ پھٹ جائے
تری تفریح ہفتہ وار کا اچھا تماشا ہے
وہ زخمی ہیں ترے لب پر اہو ہو ہے اہا ہا ہے

پھرے آزاد تو اور قید مرغان ہوا ہوویں
یہ مقصود اس ستم سے ہے وہ تیرے غم ربا ہوویں
پڑے پنجر ونکے اندر بیکسونکے دم خفا ہوویں
چھپر کھٹ میں تو جب لیٹے تو وہ نغمہ سرا ہوویں
ترے نزدیک خوش نغمہ ہے نالہ بے زبانوں کا
ترے دلکو نہیں کچھ درد اُن آشفتہ جانوں کا

تبختر سے کبھی ہوتا ہے خوش پوشی پہ لدّو
کبھی رہتا ہے مست آرزوئے ساغر و بادہ

دل آزاری پہ تو تیار حق تلفی پہ آمادہ
رعیت ہیں تری گویا کہ سب اور تو ہے شہزادہ

تمنا ہے تری دائم رہے فرمانروا ہو کر
سلامت تو رہے گو خلق مٹ جائے فنا ہو کر

تجھے معلوم ہے کسواسطے تو یاں میں آیا
نہ ہو لے سے کوئی دم بھی ادھر کچھ یہ بیان فرمایا
وہ کیا مطلب تھا جسکے واسطے سلطان نے بھیجا
کہ میں ہوں کون جاتا ہوں کدھر کس سمت سے آیا

مرا نخل بقا کب تک چمن میں لہلہائے گا
ہزار ہستی موہوم کب تک چہچہائے گا

معین وقت تک تجھکو ملا ہے سیر کا فرماں
ترے آنیسے ہوں سب ہمصفیران چمن خنداں
غرض یہ تھی کہ جب ہو جلوہ بخش گلشن امکاں
چلن سے تو عزیز دل ہو انکا اور سر و جاں

تو ہر اک حال میں انکا شریک ہمنوائی ہو
دلوں میں انکے تیری جا ہو سینوں میں رسائی ہو

مصیبت جسکو پیش آجائے اسکا آشنا تو ہو
کوئی ہو راہ گم کردہ تو اسکا رہنما تو ہو
کوئی ماتم زدہ پائے تو دلسوز غمربا تو ہو
غرض ہر زخم کا مرہم ہو ہر دکھ کی دوا تو ہو

جہاں مشکل کی پڑ جائے گرہ ناخن ترا کھولے
تو ہر اک درد میں شامل ہو ہر آواز پر بولے

جہاں کانٹے نظر آئیں کرے تو صاف وہ رستا
نہ ہو پامال گلچیں سبزۂ خوابیدہ گلشن کا
خیال برہنہ پایان بیکس کا رہے کھٹکا
جلانے پائے گلبن کو نہ باد گرم کا جھونکا

اڑیں دو بلبلیں تو ثالث بالخیر تو ہووے
معاون ہو کے ہادی بنکے گرم سیر تو ہووے

ملا گر نکہ مجھسے کہہ تو اس میں سے کیا کیا کیا
نکالا دشت غربت میں کسی کے پاؤں سے کانٹا
رکھا کس زخم دل پر مرہم امداد کا پھاہا
کسی آفت زدہ کا بوجھ گہ تو نے کیا ہلکا

بچایا ہے کسی گم کردہ رہ کو رہنما ہو کر
کیا ہے پار بیڑا بھی کسیکا ناخدا ہو کر

اگر غفلت سے ابتک کچھ نہیں تو نے کیا غافل
بڑھے جاتے ہیں ساتھی ہمسفر نزدیک ہے منزل
تو اس خواب گراں سے چونک آئندہ نہ ہو کاہل
یہ فرصت بھی غنیمت ہے اگر کرنا ہے کچھ حاصل

اولی العزمان دانشمند جب کرنے پر آتے ہیں
سمندر پاٹتے ہیں کوہ سے دریا بہاتے ہیں

تجھے اک شاہ عالی شان کی پیشی میں جانا ہے
اسی سرکار سے ملتا سبھوں کو آب و دانہ ہے
ہمیشہ کے لئے ماوا اسی کا آستانہ ہے
ہے ذات اسکی غنی محتاج ہر فرد زمانہ ہے

عجب سرکار ہے ڈنکا ہے ہر سو اس کی عظمت کا
ٹھکانا ہے نہیں ہے رفعت ایوان دولت کا

ازل سے پیشتر اسنے چنا ہے نعمتوں کا خواں
نباتاتی جماداتی ہوائی روح اور انسان
ہمارا میزبان پاک ہے وہ ہم ہیں سب مہماں
اسی سرکار سے انعام پاتے رہتے ہیں ہر آں

اسی کا لطف کرتا ہے کفالت ہم غریبوں کی

وہی فریاد سنتا ہے دلوں میں بدنصیبوں کی

لگاتا ہے کبھی ظلمت کا چشم نور میں انجن — چھپاتی ہے چراغ نور گہ ظلمت تہِ دامن
ہے روشن اسکی ڈہونڈ ہی پہ چراغ مہر سر بزین — فلک تاروں بھرا در پر مرصع کار ہے چلمن

فرشتوں تک کی آنکھیں نور سے یاں چوندہیاتی ہیں
مقدس روحیں سجدے کرتی ہیں آنکھیں بچھاتی ہیں

خلا امیداں پیش باب ہے اس بندہ پرور کا — ملا اسباب کاشانہ ہے اس الطاف گستر کا
قدم دیرینہ خانہ زاد اُس سرکار کے گھر کا — حدوث اک کارباری نوملازم تازہ دفتر کا

اسی دفتر میں جھگڑے چکتے ہیں ساری خدائی کے
یہیں احکام سب ہوتے ہیں صادر کبریائی کے

قوی کی فوج کو ہے نظم و نسق دم رگہ ہمت — ہوا کرتی ہے زیر حکم عقل کل یہ سب محنت
کرم کے کارخانوں سے ہمیشہ بٹتی ہے دولت — یہ لکھ لٹ باٹ بٹتا ہے کھلا ہر آن ہر ساعت

بقدر ظرف طالب یاں ہیں پیمانے مقدر کے
لئے جاتے ہیں جو جسکو ملا پیمانے بھر بھر کے

وہ بے پروا ہے لیکن ہی غلاموں کی اسی پروا — نہ درکار اسکو تخت و تاج ہے نے مسند و تکیا
نہ کھائے اور نہ پینے وہ مقدس ذات ہے یکتا — ہمارے واسطے سب کچھ ہے یہ دنیا و ما فیہا

وہی تو ہے وہ سلطان کبریا ہم جسکو کہتے ہیں
وہ شاہنشاہ عالی ہے خدا ہم جسکو کہتے ہیں

چراغِ مہر و شمعِ مہ اُسی کی لو میں جلتے ہیں
اُسی کے حکم سے ذرات کے پہرے بدلتے ہیں

ارادہ سے اُسی کے کوہ سے چشمے اُبلتے ہیں
کواکب ٹھیک اپنی اپنی رفتار و نہج پہ چلتے ہیں

اُسی کے حکم سے قائم ہے مد و جزر دریا کا
گل و سبزہ سے دامن پر وہی کرتا ہے صحرا کا

نہایت چھوٹی جانوں میں بھی لطفِ زندگی بخشا
ہوا والونکو پانی والوں سے مطلب نہ کچھہ رشتا

ہیں اپنی جنس میں خوش دوسرونکی کچھہ نہیں پروا
کلولیں کرتے ہیں باہم اڑاتی ہیں مزے کیا کیا

وہ باہم ملکے جب ہم ذکر ہست و بود کرتے ہیں
جہانکے عیش کو اپنے ہی تک محدود کرتے ہیں

نظر آتی ہے چیونٹی گو بہت کم نوعِ خلقت میں
تمنائیں تدبر تجسس میں ذکاوت میں

اُمنگیں اُسکی جا پہنچے کوئی لیکن عزم و عادت میں
ذخیرہ کے فراہم کرنے میں نوعی حمایت میں

ذرا اُس تنگ زیبندہ کا فرطِ جوش تو دیکھو
دماغِ نرم و نازک کا وفورِ ہوش تو دیکھو

یہ حیرت خیز اُس خلاق کی قدرت نمائی ہے
انا الموجود لا غیری ہر اک شے میں سمائی ہے

کہ ہر اک فرد کو اپنے ہی تن میں خود ستائی ہے
فدا ہونیکے لائق انتظامِ کبریائی ہے

کروں وصفِ جلالِ کبریا میری زباں کیا ہے
یہاں جبریل کے پر جلتے ہیں میرا بیاں کیا ہے

کروڑوں باغ ہیں اُسکے اور اُنمیں لاکھوں گلشن ہیں
ہر اک سو لالہ و شمشاد و نرگس سرو سوسن ہیں

خیابانوں میں طاؤسانِ دلکش سایہ افگن ہیں | تبسم کرتے ہیں غنچے عنادل چہچہ زن ہیں

جو مشتاقانِ سیرِ باغ شوق اپنا جتاتے ہیں
معین وقت تک نوبت بنوبت آتے جاتے ہیں

مگر جو سیر میں کرتے ہیں ہوتا ہے حساب انکا | محاسب ساتھ رہتا ہے کیا جو کچھ یہی لکھا
پہونچتا ہے قریب ہو کے جب تقصیر میں وہ سیاہا | ثمر ملتا ہے اسکا جس شجر کا بیج بویا تھا

کبھی دریائے لطفِ خاص سلطان جوش زن ہو کر
معاصی پر بہا دیتا ہے پانی ذو المنن ہو کر

وہاں تو پائے عزت ایسا کچھ ساماں مہیا کر | پشیماں ہو گذشتہ غفلتوں سے اٹھ سویا کر
بھرے بازار میں آیا ہے تو پر نفع سوداگر | حضورِ شاہ میں تا سرخرو ہو جائے تو جا کر

کرم جنس یاں ہے دستگیری بیجبانوں کی
خرید اکر ملیں جتنی دعائیں ناتوانوں کی

یہ جنس بے بہا سرکار میں مطلوب ہووے گی | زیادہ جسقدر ہو سب کی سب مرغوب ہووے گی
یہ سودا نقد ہے اسکی تجارت خوب ہووے گی | اسی صورت پہ رحمت محو جوں یعقوب ہووے گی

جو سوداگر یہ لیجاتے ہیں خوب انعام پاتے ہیں
در و لعل و گہر خوش منصب اکرام پاتے ہیں

نہیں ممنوع تو کچھ اس چمن میں پینے کہانیسے | نہ تو روکا گیا ہے باز کچھ آرام پانیسے
نہ تجھپر قید ہے پھل توڑنے شاخیں جھکانیسے | برا کیا ہے جو تو ہو شاد بلبل کے ترانیسے

اگر رہ حد کے اندر تیری جوشے ہو اسے پی کھا
لگا رکھ دل میں استرضائے شاہنشاہ کا کھٹکا

الٰہی احمدی کو اپنی تو میں رکھ تو پروانہ
عنایت کر مجھے وہ قوتیں اور عزم مردانہ

بنا اس بھولے بھٹکے کو سراغ راہ کاشانہ
رہوں تیری رضاجوئی کی دھن میں ڈھونڈے دیوانہ

مرے احباب کے اور میرے دل میں وسے تمنائیں
تری مخلوق کی خدمت کو آنکھوں سے بجا لائیں

نمبر (۹)

اصلاحِ خیالات

حضرات آج آپ صاحبوں نے اس غرض سے قدم رنجہ فرمایا ہے کہ میں کچھ عرض کروں میں تعمیل ارشاد میں بدل حاضر ہوں میں آج یہ گذارش کرنا بہتر جانتا ہوں کہ تعلیم مغربی کا عقائد مذہبی کی نسبت کیا اثر ہوتا جاتا ہے اور جو خیالات بعض اہل علم کے دلوں میں جاگزین ہوتے چلے ہیں وہ کس وقعت کے ہیں الا پیشتر اس سے کہ میں اس امر کو مفصل بیان کروں یہ بیان کرنا ضروری ہے کہ میرا روئے سخن عام اہل علم اور عام خوش عقیدہ لوگونکی طرف نہیں بلکہ صرف اُنہیں حضرات کی طرف ہے جنکا ذکر بعد ازیں میں کرنا چاہتا ہوں یہ امر بھی اس موقع پر ظاہر کردینا لازم ہے کہ عقائد مذہبی کے اُن احکام مخصوصہ کے ضعیف یا غیر صحیح قرار دینے کی بابت کسی اہل علم کی نسبت مجھکو کوئی اعتراض نہیں۔ جن احکام خاص کی روسے ہر ایک اہل مذہب کو اپنے اپنے مذہب کی پابندی ہوتی ہے۔ مجھکو تو اُن خیالات پر نظر کرنا ناگزیر ہے جن خیالات کا اثر عام اہل مذاہب کے دلونپر قریب قریب یکساں ہوتا ہے اور ایسے خیالات کے ظاہر کرنے سے

گویا سب اہل مذہب کا دل ایذا پاتا ہے وہ خیالات یہ ہیں کہ ہم بعض اہل علم حضرات کی تقریروں میں علانیہ ذات باری عز اسمہ کے وجود کا انکار پاتے ہیں حالانکہ ذات باری عز اسمہ کا انکار کوئی عاقل نہیں کر سکتا اُس مقدس ذات بابرکات کا اقرار باختلاف اسما و باختلاف صفات سب اہل مذاہب کو ہے۔ میں نے آجکل اخباروں میں بعض ایسے ہی حضرات کے خیالات دیکھے ہیں۔ ایک صاحب یوں فرماتے ہیں کہ ہمکو کلیسیا والوں اور فلسفہ کی خدائیوں سے جھگڑا زیبا نہیں کیونکہ یہ لوگ جانب دار پورانی اور فانی دنیا کے ہیں اور ہم علمی طرفدار نئی دنیا کے ہیں۔ میں حیران ہوں کہ حضرت کے ذہن میں یہ عبارت لکھنے وقت کیا خیالات تھے اور وہ کون نئی دنیا ہے جو غیر فانی ہو اور اُسکو خدا کی ذات سے کوئی تعلق نہو چونکہ اس دعوے کی بابت کوئی دلیل نہیں پیش کی گئی ہے اسوجہ سے مجھکو بھی اس بات میں بحث کی ضرورت نہیں۔ ایک دوسرے صاحب اُنسے بھی بڑھکر محقق اپنے خیال میں ہیں اُنہوں نے اپنی تقریر میں دلائل علمی کو بھی صرف کیا ہے اگرچہ تقریر کی غرض کسی دوسرے صاحب کے جواب پر مبنی ہے اور اس بنا پر لازم یہ آتا ہے کہ وہی صاحب جواب دیں جن کی طرف خطاب کیا گیا ہے لیکن چونکہ تقریر میں ذات باری کے وجود کے انکار پر بحث کیگئی ہے بدیں نظر کب ممکن ہے کہ ہم اپنی زبان کو حرف آشنا نہ کریں دنیا میں کوئی راستباز غلام اپنے مولا کے خلاف ایک حرف سنکر خاموش نہیں رہ سکتا

لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی بیان کرنا ضرور ہے کہ ہمکو بناے مناظرہ قائم کرنا مقصود نہیں صرف اپنے خیال کو ظاہر کردینا مناسب جانتا ہوں حق و باطل میں تمیز کرنا خود اہل انصاف کا کام ہے اور دلوں پر اثر ڈالنے والا خود وہی پاک خداوند ہے جسنے ہمکو اور سب ہمارے ابناے جنس کو قوت نطق عطا فرمائی ہے یہ حضرت ابتداے تقریر میں جس عبارت کا استعمال کرتے ہیں اُس سے یہ مطلب پیدا ہوتا ہے کہ ہر اہل مذہب نے اپنے خیال کے موافق خدا فرض کرلیا ہے ورنہ فی الحقیقت خدا کوئی شئے نہیں اس سے آگے چلکر علت اور معلول کی بحث کرکے پہر علت اور معلول کی اُس تعریف سے انکار کیا گیا ہے جو فلسفہ میں مقرر ہے اور پہر علت اور معلول کی اسطرح تعریف کی گئی ہے کہ علت خود معلول ہے مگر بہ حیثیت مبدلہ اور معلول علت ہے مگر بہ کیفیت سابقہ تبدل کیفیت قواے اشیا کے باہمی تناسب سے ظہور پذیر ہوتا ہے میں حیران ہوں کہ علت اور معلول کی یہ کیسی تعریف کی گئی ہے اور کیونکر علت اور معلول ایک شئے ہیں کیا فاعل عین مفعول اور جارح خود ہی مجروح اور ضارب خود ہی مضروب ہوسکتا ہے کیا یہ محال عقلی نہیں ہے کہ فاعل خود ہی مفعول بھی ہوگیا ایک کاریگر جسنے عمدہ تخت تیار کیا ہے خود ہی تخت ہے۔ بیان کیا گیا ہے کہ معلول علت میں بالقوہ موجود ہوتا ہے جب معلول بالفعل موجود ہوجاتا ہے اُسوقت علت کی پہلی

بالکل معدوم ہوجاتی ہے۔ کیا حضرت کو یہ فقرہ لکھتے وقت یہ خیال نہ گذرا کہ معلول وہ جدا شئے ہے جسکا ظہور علت کے باعث ہوا یہ کب ممکن ہے کہ معلول میں علت ہو۔ حضرت نے واسطے ثابت کرنے اپنے دعوے کے مثالاً بیان کیا ہے کہ پانی دو بخارات سے پیدا ہوا ہے ہر بخار اپنی حالت میں پانی کی علت ہے جب دونوں باہم ہوجاتے ہیں معلول یعنی پانی ہوجاتا ہے حضرت نے یہ مثال اس ثبوت کے واسطے پیش کی ہے جس سے ثابت کرسکیں کہ خدا کوئی شے نہیں حالانکہ اس مثال کی عبارت کے ہر ایک لفظ سے ثبوت باری عزاسمہ ہوتا ہے مثلاً بیان ہے کہ پانی دو بخارات سے پیدا ہوا ہے بیان کیا جاسے کہ بخارات کس نے پیدا کئے اور دونوں بخاروں کو باہم کس نے ملایا یا یوں کہو دونوں بخاروں کو باہم ملکر پانی بنجانے کی تحریک کہاں سے پیدا ہوئی کیا معنی ہر ایک فعل کسی حرکت سے شروع ہوتا ہے اور ہر ایک تحریک کو محرک لازم ہے حضرت کہتے ہیں کہ مادی اشیا اپنے قویٰ کے باہمی عمل سے تبدل و تغیر پاتے ہیں یہ فقرہ لکھتے وقت اس امر پر غور نہیں کیا گیا کہ مادی اشیا کے قویٰ اپنے عمل میں کسی متصرف یا محرک ذی علم و قدرت کے متبع ہیں یا نہیں اگر ہیں تو انکار خدا کس بنا پر ہے اور اگر نہیں تو ثابت کیا جاسے کہ مادی اشیا کے قویٰ کو مناسب وقت پر تبدل و تغیر کرنے کی تحریک کہاں سے پیدا ہوتی ہے اگر کہیں سے نہیں ہوتی

تو کیا وہ قوتیں خود صاحب علم وقدرت ہیں۔ ایک جگہ حضرت اپنے جوش تحقیق میں اسطرح اظہار حیرت کرتے ہیں کہ اگر مادّہ کو موجود بالذات کہتے ہیں تو یہ صفت محال عقلی متصور ہوتی ہیں اور اُنکا تصور صحیح اور کامل ذہن میں نہیں آسکتا اور کوئی خالق اس مادّہ کا مانے تو اُس خالق کا مطلق و بے حد و واجب الوجود ہونا ذہن انسانی تصور نہیں کرسکتا اس عبارت سے یہ بات تو ثابت ہوگئی کہ حضرت مادہ کو موجود بالذات تسلیم نہیں کرتے اور اسوجہ سے مادہ کی قدامت سے انکار کرتے ہیں پھر معلوم نہیں کہ باوصف حادث ماننے مادّہ کے خدا کو خالق ماننے سے کس بنا پر انکار ہے کیا ممکن ہے کہ جس شے کو قدیم تسلیم نہ کرکے مخلوق مان لی جائے پھر اسکے خالق کے تسلیم کرنے میں کوئی جائے عذر باقی رہے خود حضرت کے دعوے سے مادّہ کا مخلوق ہونا ثابت ہوچکا پھر خالق کے ماننے میں کیا شک باقی رہا اگر حضرت کے ذہن میں کوئی ایسی دلیل موجود ہو جس کی روسے باوصف تسلیم کرنے مخلوق کے خالق کا ماننا لازم نہ آتا ہو وہ بیان کریں۔ ایک موقع پر حضرت نے یہ بیان کیا ہے کہ اہل عقائد نے صنعت سے صانع کا ثبوت کرنا چاہا مگر یہ دلائل شاعرانہ خیالات سے زیادہ وقعت نہیں رکھتے مگر یہ عبارت لکھکر حضرت نے کوئی وجہ نہیں بیان کی جس سے اس دعوے کی تصدیق ہوسکتی جو کبھی نہیں ہوسکیگی کیا معنی خیال میں نہیں آتا کہ ایسے کامل ثبوت باری کے مقابلے میں کوئی

کیا اعتراض کرسکیگا مصنوعات سے بڑھکر صانع کی ہستی کا اور کیا ثبوت ہوگا۔ اور ایسے صاف اور روشن ثبوت سے کوئی کیونکر انکار کرسکے گا اگر کسی نے قصور فہم کی وجہ سے انکار کیا بھی تو ایسا انکار دانشمندونکی نگاہوں میں کیا وقعت رکھیگا یہ عجب بات ہے کہ ہم کھلی آنکھوں سے دہواں دیکھیں مگر آگ کے ہونیسے انکار کریں میز اور کرسی کے بنائے جانے اور بنے ہوئے ہونیسے ہمکو اقرار ہو مگر کاریگر سے ضرور انکار ہی کرتے رہیں۔ گھڑی دیکھکر اسکی سوئیونکی باہمی رفتار میں تفاوت پاویں اسکے نشانوں اور علامتونکو دیکھکر اسکا بنایا ہوا ہونا تسلیم کریں مگر بنانے والے کے ماننے سے منکر ہی رہیں۔ ہم صفات کے تسلیم کرنے پر دلدادہ ہوں مگر موصوف کے مان لینے سے ہمکو ضد ہو۔ قوتونکو تسلیم کریں مگر صاحب قوت کو نہ مانیں قدرت کو نیچر کے نام سے تسلیم کریں مگر قدرت والے سے انکار کیا جائے ہم کائنات میں ایک نہایت چھوٹی شے سے لیکر نہایت بڑے بڑے عظیم الشان کواکب اور کرآت کو ایک حالت انتظامی میں پاویں مگر منتظم سے انکار کرنا ضروری سمجھیں یہ کیسے پر افسوس خیالات ہیں جنکو بعض اہل علم تحقیقات علمی کے ساتھ منسوب کرنے لگے ہیں کیا استعداد علمی کا یہی اقتضا ہے کہ اپنے خداوند اور اپنے خالق سے انکار کیا جاوے قوت علمی کسی درجے تک بڑھے مگر کیا امر واقعی کو غیر واقعی ثابت کرسکے گی جوش میں آکر گذشتہ تحقیقات اور گذشتہ محققین علم پر اعتراض

کیا جاتا ہے او تحقیقات جدیدہ کی نسبت اس درجہ خوش اعتقادی
ظاہر کیجاتی ہے کہ اُسکے مقابلہ میں کوئی شئے محققین علوم جدیدہ کی نگاہوں میں
نہیں سماتی مگر یہ خیال نہیں کرتے کہ جو گذشتہ تحقیقات علمی ہے ایک زمانہ
میں وہ بھی ایسی ہی جدید تھی اور اُس کی نسبت اُسوقت کے اہل علم کے ایسے
ہی خیالات تھے اب جو بہ نسبت اُس تحقیقات کے کچھہ امور زائد دریافت ہوے
تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ گذشتہ تحقیقات عام اس سے کہ وہ صحیح ہو یا غیر
صحیح جسقدر ہے سب غلط ہے آیندہ ایک وقت ایسا آویگا کہ زیادہ دقیق مسائل
دریافت ہو کر تحقیقات حال پر ایسے ہی اعتراض ہونگے جسطرح گذشتہ تحقیقات
علمی پر اب ہو رہے ہیں جبکہ یہ حال ہے تو محققان علوم جدید کا یہ دعوی کرنا
کہ جو کچھہ اب دریافت ہوا ہے اُس سے زیادہ دریافت ہونا آیندہ ناممکن ہے۔
یا جو کچھہ دریافت ہو چکا ہے اُس میں کسی طرح کوئی غلطی نہیں بالکل ناقابل تسلیم
ہے میرے خیال میں علم کی رسائی اشیا کے دریافت یا اجزاے اشیا
کے دریافت یا اشیا کو باہم ترکیب دے لینے تک محدود ہو سکتی ہے
یہ کسی طرح ممکن نہیں کہ علم کی وجہ سے کسی موجود شئے کے وجود سے انکار
لازم آتا ہو اور اگر خواہ مخواہ یہی قرار پاویگا تو پھر آگ کا احراق ہوا کی سبکی
پانی کی تری سورج کی روشنی بھی قابل تسلیم نہ رہے گی۔ اگر مذہبی اعتقاد کسی
کے دل میں نہو تاہم عقلی دلائل سے اطمینان حاصل ہو سکتا ہے ظاہر ہے

کہ ہم کائنات میں مختلف اشیا جداگانہ خواص افعال کے ساتھ پاتے ہیں اور
یہ این ہمہ کائنات کا انتظام کامل طور سے پاتے ہیں پس کوئی منتظم باعلم وقدرت
ہے تب ایسا انتظام قائم ہے کہ ہم اشیاء غیر حساس کو کبھی حرکت کبھی سکون
کی حالت میں دیکھتے ہیں کوئی صاحب علم و قدرت چاہیے جو اپنے علم و ارادہ
سے حرکت و سکون میں لاوے ہم اشیا میں کمی بیشی اور فنا و بقا پاتے ہیں
اگر کوئی فاعل حقیقی اور منتظم نہیں تو یہ سلسلہ کیونکر چلتا ہے ہم کواکب وکرات کو
باوصفیکہ متحرک بالارادہ اور حساس نہیں اپنی اپنی حرکت دَوری میں پاتے ہیں
اور اُن کے متحرک بالارادہ اور حساس نہونے کی یہ دلیل ہے کہ ہر ایک متحرک
بالارادہ اپنی مرضی کے موافق مختلف ارادی حرکتیں کیا کرتا ہے کسی خاص
حرکت کا پابند نہیں رہتا یہ بات ہم کواکب وکرات میں نہیں پاتے پس جبکہ
کواکب وکرات حساس و متحرک بالارادہ نہیں ایسی حالت میں متحرک ہونیکا
فعل بھی اُنکے ارادہ سے نہیں ہے بلکہ کسی اور منتظم کے ارادے سے ہے
کواکب وکرات کی حرکات کی ایسی حالت خیال میں آتی ہے جسطرح گھڑی کوک
دیجاوے اور اُس کی سوئیاں اُس معین وقت تک گردش کرتی رہیں جب تک
کو کنے والے نے اُسکا اندازہ مقرر کیا ہے یا کوئی باجا کوک دیا جاوے اور
وہ اُسوقت تک بجے جب تک اُسکا اندازہ رکھا گیا ہے - اب ہم اپنے سچے
خداوند اور برتر ہادی سے دست بدعا ہیں کہ وہ اپنی قدرت کاملہ سے ہمارے دلوں

ہیں وہ سچا اخلاص اور کامل یقین عنایت فرمائے کہ ہم عمدہ اور سیدھے مسلک سے بہک نہ جائیں اور ناتمام خیالات کی بدولت نقصان ابد حاصل نہ کریں۔

نظم

نہیں سینہ مرا خاور ہے مہر حمد یزداں کا
ظہورِ صبح مدحت چاک ہے میری گریباں کا

دمِ تحریر مدحت ہے دماغ خامہ گردوں پہ
پر جبریل زیر انداز ہے میرے قلمداں کا

برستی ہیں فلک سے برکتیں ایوانِ دولت پر
بجا ہے جسقدر رتبہ بڑھے مدّاح یزداں کا

میں اُس ذاتِ مقدس کی ہوا میں صرف گفتن ہوں
چمن یاں جسکا لطفِ خاص ہی گلزارِ امکاں کا

ازل کی ابتدا اُس سے ابد کی انتہا اُس تک
وہی ظاہر میں شور افگن ہی گل باغِ نہاں کا

وہی ہے جسنے بخشی گوشت کے ٹکڑے کو گویائی
وہی ہے مرتبہ جسنے بڑھایا نوعِ انساں کا

وہی صانع ہے جسنے آنکھ کو تل میں یہ وسعت دی
سما جاتا ہے جسمیں عکس صحرا کوہ میداں کا

خلا کہتے ہیں جسکو ظرف ہے اک اسکی قدرت سے
درخشاں مہر اک شعلہ ہی اُسکے طاقِ ایواں کا

نہاں ہی وہ مگر افعال قدرت ہیں عیاں اُسکے
جہاں دیکھو رواں سکّہ ہی شاہنشاہ پنہاں کا

زمانہ کو سمجھتے ہیں ہم اُسکا شیشۂ ساعت
بدلتا رہتا ہے پہرہ برابر دورِ دوراں کا

محرکِ اولیں ترکیب اشیا کا وہی خود ہے
وہی بے مثل بانی ہے طلسمِ بود امکاں کا

مادہ میں تصرف ہی قویٰ کا اُسکی حکمت سے
اسی ترکیب سے ہے ٹھاٹھ قائم قصر امکاں کا

کمی بیشی شکست و پست ہی سب اُسکے قبضے میں
بناتا ہی مٹاتا ہی یہی ہے کام یزداں کا

اُسی نے چہچہا پیدا کیا منقار بلبل میں
دماغ اُسنے معطر کردیا گل سے گلستاں کا

دماغوں میں ہمارے کی عطا عقل رسا اُسنے
ہوا ہے جس سے عالی مرتبہ حیوانی انساں کا

حفاظت کی ہی اُسنے بطن میں ماہی کے یونس کی
وہی سچا محافظ چاہ میں تہا ماہِ کنعاں کا

فدا ہوں احمدی میں اپنے خلاقِ دوعالم پر
مجھے کافی ہے سنگِ آستانہ اپنے یزداں کا

نمبر (۷)

بزم خیال

چمن کی سیر میں کرتا تھا کل رات
مشوش پا کے سینے دل سے کی بات

دل پر جوش ضبط راز کب تک
خیال شوخی غماز کب تک

مرا تو مونس و ہمراز جاں ہے
خیال اسوقت کہہ تیرا کہاں ہے

گلستاں میں ہے جوش خندۂ گل
رہے خاموش کیوں منقار بلبل

غضب جوبن پہ ہے پھولوں کی لالی
غنیمت ہیں یہ ایام و لیالی

لب خاموش کو شکر فشاں کر
خیال خاص کی باتیں بیاں کر

کہا دل نے کہ اے ہم بزم عشرت
میں ہوں کل شب سے مست جام حیرت

میں اک بزم طرب میں میہماں تھا
بدل ممنون لطف میزباں تھا

سراپردہ میں جب داخل ہوا میں
وہ کچھہ دیکھا کہ حیراں رہ گیا میں

ہجوم میہماناں دمبدم تھا
صلائے عام الطاف کرم تھا

کوئی مست شکوہ خسروانہ
رہیں واب و انداز شہانہ

کوئی صوفی صفت سرگرم توحید
کوئی آزادہ وش شیدائے تجرید

کوئی مستِ خیالِ ساغر و مے — کوئی محوِ تلاشِ بربط و نے

کوئی اپنی خود آرائی پہ شیدا — فدائے ناز و رعنائی پہ شیدا

کوئی شمشیر در کف طالبِ جنگ — غرض جس شخص کو دیکھا جدا رنگ

صفیں موزوں کئے بیٹھے ہیں یکسو — صنوبر قامتانِ عنبریں مو

کہیں دہقاں کسی جانب کو تجار — زبان و سود میں سرگرمِ گفتار

مہیا جا بجا کھانے کے ساماں — جہاں جس جس کو دیکھو فرداں

پیاپے تازہ کھانا پک رہا ہے — کمر باندھے ہر اک خادم کھڑا ہے

ہر اک سے عرض یہ ہی کہہ رہا ہے — تمہارے واسطے ساماں ہوا ہے

صلائے عام ہے سب آؤ کھاؤ — جو کچھ مرغوب ہو منگواؤ کھاؤ

جو ہیں اہلِ جماعت حصہ لیجائیں — برابر ساتھیوں میں بٹھکر کھائیں

ولیکن منصفانہ ہو وہ قسمت — کہ تا ہر فرد ہو سرگرمِ فرحت

جسے درکار ہو مانگے یہاں سے — نہ چھینے کوئی عاجز میہماں سے

کمی یاں کچھ کسی شے کی نہیں ہے — یہ بزمِ دعوتِ شاہِ زمیں ہے

ضعیفوں کی قوی خدمت بجا لائیں — انہیں بٹھلا کے اپنے ساتھ کھلوائیں

کریں نگرانی اہلِ قوت و زور — اڑا پائے نہ پشۂ طعمۂ مور

ہنسیں بولیں پئیں دیکھیں سنیں کھائیں — سپاہِ میزباں دل سے بجا لائیں

پیامِ شاہ جب پہونچا چکا وہ — مخاطب ہو کے پھر کہنے لگا وہ

سنو اے میہمانو تم مری بات کہ بزم امتحاں ہے آج کی رات

شہنشاہ دو عالم میزباں ہے خوشا بخت اُسکا جو یاں میہماں ہے

سحر قصر شہنشاہی کھلے گا سجے ہیں جس میں کمرے لاکھوں زیبا

دکھائے آج جو جیسی لیاقت اُسی درجہ کی کل وہ پائے نعمت

زباں پر میری ہے جس قصر کی بات اُسی کا نام ہے دار المکافات

سمجھ اور سوچکر اب تم پیو کھاؤ ملا ہے حکم جو تمکو بجا لاؤ

وہ دیکھو غرفہ ایوان کھلا ہے تمہارا میزباں خود دیکھتا ہے

ذرا بھی کچھ چھپا سکتے نہیں تم نظر اُسکی بچا سکتے نہیں تم

کوئی جو کچھ فسوں سازی کرے گا دل اُسکا اُس کی غمازی کریگا

حیل شرعی نہیں آئینگے کچھ کار گنا جاتا نہیں سچوں میں مکّار

تم اس شب کو شب قدر آج سمجھو زمان بود کی معراج سمجھو

ہر اک پل اُسکی ازبس قیمتی ہے کٹوری ہر گھڑی کی بھر رہی ہے

ہر اک کو عرض بیگی نے جتایا مگر ہر اک نرالا رنگ لایا

کوئی تو پینے کھانے میں ہوا محو کوئی گانے بجانے میں ہوا محو

کسی نے دست جبر اپنا بڑھا کر گلا گھونٹا کسی عاجز کا جا کر

کوئی صرف خیال بادہ و جام مغنی سے غرض معشوق سے کام

کریم النفس تھے ایسے بھی اکثر کہ کمریں باندھکر مانند چاکر

ضعیفونکی لگے کرنے مدارات | بدل تعمیل کی جو کچھہ سنی بات
کچھہ ایسے بہی وہاں آزاد دیکھے | جو یک سوئی کی دُہن میں شاد دیکھے
وہیں ایسے بہی دیکھے عالی ہمت | کہ اپنے حصے کے خوانوں کی نعمت
لگے تقسیم کرنے خود نہ کہا کر | کریموں کی طرح سب سے چہپا کر
نظر ایسی بہی آئی پاک طینت | نہ تہی اُنکو کسی شے کی بہی رغبت
سوئے ایوان شاہی لَو لگائے | کہڑے ہیں دم بخود آنکہیں ملائے
بندہی ہے ٹکٹکی تن کا نہیں ہوش | بہرا ہے دل میں شوقِ دید کا جوش
خردمند ایسے بہی واں میں نے پائے | سوئے ایوان بہی ہیں لَو لگائے
غریبونکی بہی خدمت کر رہے ہیں | عتابِ شہ سے دلمیں ڈر رہے ہیں
کہلاتے بہی ہیں اور خود بہی ہیں کہاتے | خوشی پہنچاکے ہیں خوشیاں مناتے
بہت ایسے بہی دیکہے میں نے بیباک | سمجہتے تہے جو خود کو فن میں چالاک
لگے جیبیں کترنے دہوکے دیکر | جو کچھہ پایا چلے مٹی میں لیکر
کہیں تہے پُرغضب بدکار خونخوار | جفا پیشہ ستمگر مردم آزار
غرض ہر اک تہا حالِ خاص میں محو | بطرزِ خود خیالِ خاص میں محو
بغور اُنکے جو دیکہے میں نے احوال | نظر آیا مجہے ہر اک نیا حال
کمر میں سب کے اک پہندا پڑا ہے | بہت باریک ڈورے سے بندہا ہے
اور اُس ڈوری میں گرہیں دی ہوئی ہیں | وہ سب نوبت بنوبت کہل رہی ہیں

مگر ہے مختلف گرہوں کی تعداد — نہیں مقدار اُن سب کی مجھے یاد
کسی میں دس کسی میں بیس یا تیس — کم از کم ایک نہ زیادہ ایک سو بیس
گرہ کے آگے اور پیچھے برابر — بنے ہیں کچھ نشاں ڈورے کے اوپر
سرا ڈورے کا ہے پردے کے باہر — کوئی تھامے ہوئے ہوگا مقرر
کشش ڈورے کی ہے باہر کو پیہم — نہیں تھمتا کسی ساعت کسی دم
نشان خاص تک جسوقت پہونچا — لگاتا ہے کوئی باہر سے جھٹکا
پتا ملتا نہیں پھر رشتی کا — گزرتی ہے نہ معلوم اُسپہ پھر کیا
تماشا میں نے یہ دیکھا پیاپے — بجاتا تھا ابھی اک خوش ادا نے
لگا جھٹکا کہاں پھر نے کہاں وہ — نہ آیا تھا کبھی گویا یہاں وہ
ابھی اک شوخ محو زلف و شانہ — حسینِ دہر یکتائے زمانہ
خرام ناز میں نخوت سے تن کر — نظر کرتا نہ تھا سرو چمن پر
یکایک کھا کے جھٹکا لڑکھڑایا — کچا پردہ سے باہر پھر نہ آیا
کوئی ہوتے ہی داخل جھٹکا کھا کر — پھر اُلٹے قدم صورت دکھا کر
لگاتا تھا یہ آمد شد کا ایسا — کہ ابتک ہے مجھے بالکل اچنبھا
کبھی اکثر شروع شب میں مہمان — پہر کی جب بجی نوبت تو پھر دال
ہوئی وہ گرمی محفل کہ مت پوچھ — بیانِ لطف ہے مشکل کہ مت پوچھ
نیاز و ناز کا مہتاب چمکا — اُمنگوں کا بہا پرجوش دریا

گئے مہماں بھی محفل سے کم کم
ہوا کچھ اور ہی مجلس کا عالم

مگر آدھی ڈھلی پھیکا پڑا رنگ
لگے سب اونگھنے ہونے لگی تنگ

لگے ڈوروں میں بھی جھٹکے پیاپے
کوئی خوش اور کوئی ناشاد اُٹھے

بوقتِ صبح کی سینے نظر واں
وہ محفلگاہ تھی اک ہو کا میداں

تاسف سے ہوا میں دل میں ششدر
کہا خادم نے شہ کے مت ہو مضطر

ہزاروں محفلیں ہیں لاکھوں مہماں
ابھی تک تو نے کیا دیکھا ہے ناداں

شہنشاہانہ فیاضی ہے دائم
ازل سے ہے ابد تک یوں ہی قائم

بجالا حکم شاہی شاد ماں رہ
ہر اک محفل کا رنگیں میہمان رہ

مطیعوں پر کھلے ہیں باب رحمت
مودب پاتے ہیں ہر روز خلعت

حضوری ملتی ہے اہلِ طلب کو
خطاب قرب اربابِ ادب کو

خیالِ غیر سے مطلب نہ رکھنا
توقع غیر بابِ رب نہ رکھنا

بڑا ہوتا ہے بدکاروں کا انجام
بُرے افعال سے رکھنا نہ تو کام

کیا کر نیکیوں کی دستگیری
یہی ہے شاہ کی فرماں پذیری

کسی کا حق نہ چھو یہ ہے وناءت
طلب کر آستانِ شہ سے حشمت

اسی بابِ کرم پر رہ جبیں سا
یہیں سے پائی ہے سب نے تمنا

یہ کہکر خادمِ شاہی بہ عجلت
ہوا مجھسے ملا کر ہاتھ رخصت

تعجب ہے مجھے یہ راز کیا تھا
ہوئی کسطرح برہم بزم زیبا

کہا مینے ولا افسوس مت کر
ملازم ایزدی دربار کے ہیں

ہمیں کافی ہے بابِ ربِ اکبر
سہارے پر بڑی سرکار کے ہیں

خیالِ احمدی کیوں ہو پریشاں
حضورِ آستانِ پاک یزداں

نمبر (۸)

عصائے ہمت ٭

یاران بزم آج پھر میرا پر اشتیاق دل آپ صاحبونکی پروقعت توجہ کو
تہوڑی دیر کے واسطے تکلیف مصروفیت دیتا ہے۔ کبھی کبھی میرے دلمیں
یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ کیا شے ہے جو کبھی کوہ سے بھاری اور کبھی کاہ
سے سبک نظر آتی ہے اور وہ کیا فعل ہے جو اُس کی حالت میں ایسا
حیرت انگیز تغیر پیدا کر دیتا ہے۔ بہت غور کرنے سے یہی نتیجہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ
شے انسان ہے اور وہ فعل ہمت ہے۔ دنیا میں وہ بھی انسان ہی تھے
جنکی یادگار ہمتوں کی بدولت اُنکا مستحق عظمت نام زبان پر آتے ہی دل میں
ایک ولولہ اور جوش پیدا کر دیتا ہے وہ بھی آدمی ہی تھے جو نباتات خودرو
کی طرح ہوئے اور مٹ گئے مجھکو تاریخی واقعات کے بیان کی ضرورت
نہیں اسیقدر کہتا ہوں کہ اگرچہ ہر فرد بشر کے واسطے نہایت عالی پایہ
حاصل ہونا محالات سے ہو۔ تاہم یہ تو ممکن ہے کہ اپنی بساط بھر کوشش
کرکے اپنا بوجھہ خود اُٹھا کر دوسرونکے سہارا دینے پر مائل رہے اگر میں

غلطی پر نہیں ہوں تو ایسے افراد کو میں دوسرونکی محنتونکے اندوختہ کا غاصب خیال کرتا ہوں جو لوگ خود محنت نہیں کرتے بلکہ اور ونکے سہارے پر اپنے اوقات فضول امور میں صرف کرتے ہیں یا وہ لوگ جو اپنے پسینے کی کمائی پر قناعت نہ کرکے دوسرونکی جیبیں ٹٹولتے ہیں صراحت اول میں وہ سب لوگ داخل ہیں جو دوسرونکا سہارا ڈہونڈہتے ہیں عام اس سے کہ کاہل جوان بیٹا باپ کا سہارا ڈہونڈہتا ہو یا کاہل رشتہ وار اپنے رشتہ دار کا یا کاہل دوست اپنے دوست کا - اور صراحت دوم میں وہ سب لوگ داخل ہیں جو ناجائز طور سے اوروں کی محنتونکے سرمایوں سے فائدہ اٹھانا چاہیں عام اس سے کہ کوئی بدرو یہ کسی کی چوری کرے یا رہزنی یا فریب سے مال حاصل کرے - یا کوئی ذی منصب کسی سے رشوت میں کچھ لے یا کسی اور ایسے ہی ذریعہ سے بحالت غیر مستحق ہونے کے کوئی مال یا فائدہ حاصل کرے اگر میزان خوش ہمتی میں اندازہ کیا جاوے تو اس قسم کے سب امور مردان خوش ہمت کے واسطے سراسر ننگ ہیں مردوہ ہے کہ گو اپنی حالت فلاکت میں گھاس کاٹکر بسر اوقات کرتا ہو مگر گنج قارونکی طرف آنکھ اٹھاکر نہ دیکھے بلکہ اپنے پسینے کی کمائی میں سے بقدر امکان دوسرونکی مدد کرنیکا ارادہ کرے - مینے کسی کتاب میں دیکھا ہے کہ حاتم طائی کے زمانے میں جو ایک مشہور فیاض گذرا ہے ایک روز حاتم

کی دولت سرا میں عام دعوت تھی اور بہت عمدہ اور نفیس کھانے پکائے
گئے تھے ہر طرف سے جوق جوق لوگ شریک دعوت ہوتے تھے حاتم کی
ملازمین راستوں اور سڑکوں پر مسافرین کی تلاش میں پھرتے تھے ایک شخص
لکڑیونکا گٹھا جنگل سے فروخت کیواسطے لئے آرہا تھا تکان اور دھوپ سے
پیشانی کا پسینا ایڑی تک بہتا تھا تلاش کرنیوالوں نے بہت شوق سے
اسکا استقبال کیا اور حاتم کی دعوت میں شریک ہونے کی بشارت دی لیکن
اس عالی ہمت نے کمال جوانمردی سے کہا کہ مجھکو تندرستی کی حالت میں
حاتم کا احسان اٹھانا پسند نہیں ہے بقدر اپنے مقدور کے خود حاتم ہوں
اسی لکڑیونکے گٹھے کو فروخت کر کے اپنا بھی گذارہ کرونگا اور ایک مناسب
حصہ کسی محتاج کو دونگا ملازمین حاتم نے کہا کہ آج اگر حاتم کی دولت سرا
پر چلنا منظور نہیں تو کل تکلیف کیجئے۔ اسنے کمال مردانہ ناز کے ساتھ
گوشۂ ابرو کج کر کے پھر جواب دیا کہ کیا میری یہ ہمت جسپر بھروسا کر کے میں
خود کو بھی حاتم کہا ہے صرف ایک روزہ ہے۔ کیا میں کل بے ہمت ہوجاؤنگا
نہیں بلکہ میری ہمت جوانمردونکے مانند مستقل اور دائمی ہے میں کبھی
خود کو محنت سے معاف نہ کرونگا نہ کبھی مجھکو حاتم کے در پر جانیکی ضرورت
ہوگی یہ مقام غور ہے کہ گو وہ شخص ایک ادنی مزدوری سے فکر معیشت کرتا
تھا لیکن ایسی حالت میں اسکی عالی ہمتی کیسی قابل قدر تھی کہ آجتک

اُسکا نام یادگار ہے پھر اگر ہم اپنے ارادوں میں استقلال پیدا کریں تو کیا
نہیں ہوسکتا کیا ہماری قوتیں ہمارے ارادوں کی اطاعت نہیں کرتیں یہ امر
بھی قابل ذکر ہے کہ ہمارے لاکھوں ابنائے جنس ہر فرقہ اور گروہ میں عمدہ
کوششیں اور محنتیں کررہے ہیں اگر ایسا نہو تو کام کیونکر چلیں اَلّا روئے سخن
اُن فراغت دوست افراد کی طرف ہے جو باوصف تندرست اور توانا
ہونے کے دوسرونکے سہارے پر خود کو محنت سے بچانا چاہتے ہیں سب
مذاہب کی کتب سے یہی امر ثابت ہے کہ انسان دنیا میں تین کاموں کے
واسطے آیا ہے اول بندگی اور معرفت اُس خداوند کی جسنے پیدا کیا اور جسنے
محض مخلوق کی فائدہ رسانی کے واسطے بڑے بڑے سامان قدرت
پیدا کئے دوم حصول رزق و انتظام تمدن کے واسطے مناسب کوشش
سوم اپنے ہمجنسونکو مقدور بھر نفع پہونچانا۔ پس ہمارے مقدس خداوند نے
ان کاموں کے انصرام کرنیکے واسطے ہمکو کافی قوت اور ہوش دئے ہیں
ہم انہیں اوقات عمر میں اگر کاہلی نہ کریں یہ تینوں کام کرسکتے ہیں۔ ہر شخص کو لازم
ہے کہ معین وقتوں میں آفریدگار کی پرستش کرے اور پھر معاش کے کاموں
میں مصروف ہو۔ اور جو کچھہ اُس سے حاصل ہو اُسکے صرف اور تقسیم میں
خود کو پابند انصاف ثابت کرے انصاف کا لفظ کچھہ مقتدر لوگوں یا حاکموں کے
نام کے ساتھہ مخصوص نہیں ہے بلکہ ایک ادنیٰ مزدور بھی اپنے اور اپنے

متعلقین کے حق میں انصاف کر سکتا ہے بہت سی خرابیاں نسل انسانی میں
انہیں دو سبب سے پیدا ہوتی ہیں یعنی اول یہ کہ باوصف توانائی کے محنت نکرنا
دوسرے یہ کہ اپنے اندوختہ کو بے قاعدہ صرف کرنا ان امور سے صرف اُسی
شخص کی ذات خاص کو نقصان نہیں پہونچتا بلکہ اُسکے سبب سے عام اپنے
جنس کو نقصان پہونچتا ہے۔ فرض کرو ایک کاہل لڑکا جبکہ جوان ہوگیا اور
اُسکی تندرستی ہر طرح اچھی ہے پھر بھی وہ اپنے باپ کے سہارے پر بسر
اوقات کرنا پسند کرے تو ایسی حالت میں اُسنے اپنے حق میں یہ نقصان کیا
کہ اپنے قویٰ کو بیکار رکھا جس سے اُسکی تندرستی میں فرق آئیگا اپنے اخلاق
کو تباہ کیا یعنی بوجہ اسکے کہ طبیعت بیکار نہیں رہ سکتی فضول اور ناجائز افعال
کی طرف میلان ہوگا دوسرونکے حق میں یہ نقصان کیا کہ اُسکی خوراک وپوشاک
میں جو کچھ صرف ہوگا وہ بحالت اسکے کاہل نہ ہونیکے اُسکے بوڑھے باپ
کا اندوختہ ہوتا جو اُسکی ضعیفی کے وقت میں کام آتا یا اُسکے خردسال
بھائی بہنونکی پرورش میں صرف ہوتا یا کسی ضعیف اور اپاہج کو دیا جاتا
یا کسی کاروبار معاش میں صرف کیا جاتا اسی طرح وہ لوگ خود کو اور دوسرونکو
نقصان پہونچاتے ہیں جو باوصف تندرست وتوانا ہونے کے اپنا پیشہ
بھیک مانگنے کو قرار دیتے ہیں یا ہیچ سرائی اور تمسخر کو یعنی خداداد
قوت کو بیکار رکھکر بدہمتی سے زبانی باتونکا مبادلہ دوسرونکے سرمایہ سے

کرنا چاہتے ہیں۔ اور جو لوگ اپنے اندوختوں کو بیقاعدہ صرف کرتے ہیں
وہ بھی اپنا اور دوسروں کا نقصان کرتے ہیں اندوختوں کا ٹھیک اُسکے مواقع
پر صرف کرنا البتہ ایک نازک اور دانشمندانہ کام ہے کیا معنی اس رستے
میں بڑے پیچیدہ جال پھیلے ہوئے ہیں قدم قدم پر پھندا ہے لیکن سب سی
بڑے مضبوط اور نا قابل پناہ پھندے رسوم کی پابندی اور نمائش اور
نام آوری کا شوق ہے اگر ایک عاقل آدمی اپنے پاؤنکو ایسے پھندے
سے بچانا چاہے تو اُسکے اہل خاندان اور اہل برادری یا اہل تعارف
بزور وہ پھندا اُسکے پاؤں میں ڈالے بغیر نہیں مانتے غور کیجئے یہ بات سب
مانتے ہیں کہ کوئی خرچ اُسوقت اور اسقدر کرنا چاہیئے جسوقت اور جسقدر اُس
کی ضرورت ہو اور یہ امر بھی عقلاً مسلم ہے کہ خرچ کرنا حصول آسایش کے
واسطے ہوتا ہے پس جس خرچ کرنے میں خرچ کرنے والے کو حقیقی
آسائش ملے یا اُسکے اُن متعلقین کو حقیقی آسائش ملے جنکا تکفل اُسکے
ساتھ وابستہ ہے یا اُن ضعیفوں کو آسائش ملے جو بیماری یا بڑھاپے کی
وجہ سے بیکسانہ حالت اور تکلیف میں ہوں یا اُن بیکس بیواؤں کو جنکا
کوئی مددگار نہو یا اُن یتیم بے پدر لڑکوں کو جنکے مربی اُنکے سر پر سے اُٹھ
گئے ہوں تو ایسی حالت میں خرچ کرنا عین موقع پر عمدہ بار آور ہوا مگر رسوم
کی پابندی نمائش و نام آوری کا شوق انسان کو ایسا خیالی سبز باغ

دکھاتا ہے کہ اُسکی چشم حقیقت بین پر پردہ پڑجاتا ہے اُس کی جیبیں نامناسب موقعوں پر خالی ہوجاتی ہیں مثلاً اولاد کا شادی بیاہ جب شروع کرتا ہے تو اول یہ خیال کرتا ہے کہ فلاں ہم چشم سے بڑھکر ٹھاٹھ کرنے چاہئیں ایسے بیہودہ خیال سے اُس اندوختہ کو محض خیالی خوشی میں پانی کی طرح بہادیتا ہے اور انجام کار تکلیف پاتا ہے اُسکے اس فعل سے یہ بُرائیاں پیدا ہوتی ہیں یعنی ایک تو سرمایہ بیجا موقع پر صرف ہوا دوسرے اسکی دیکھا دیکھی دوسروں نے اس سے بڑھکر ٹھاٹھ کرنیکا ارادہ کیا اور اسوجہ سے وہ بھی تباہ ہوئے یا تکلیف میں پڑے تو اُن دوسرونکی تباہی یا تکلیف کی بنا اس شخص اول نے ڈالی حالانکہ شادی کے واسطے ضروری امر عقد جائز یا بقدر مناسب برادری کے لوگوں کی دعوت کردینا ہے سوائے اس ضروری کام کے جو فضول خرچ کئے گئے ہرگز پسندیدہ نہیں اسیطرح اکثر حضرات تھوڑی تھوڑی تقریبات میں تکلف اور نمایش شامل کرکے اُسی حدتک پہونچا دیتے ہیں بعض لوگ اعتقادی رسوم میں تکلفات کو داخل کرکے اُن اعتقادی رسوم کو بھی تکلفات کے ساتھ مشروط کردیتے ہیں غرض رسم کی پابندی اور نمائش ونام آوری کی دھن میں اسقدر روپیہ ہندوستان میں صرف کیا جاتا ہے کہ اگر وہ روپیہ محتاجوں اور ضعیفوں اور یتیموں اور اپاہجوں کی پرورش وپرداخت میں صرف کیا جائے تو آسمانی برکتوںکا پرجوش بادل برسنے لگے غور کیا جائے کہ ہم ایک مسٹنڈے سائل

کو جو ہر حالت میں پانچ روپیہ سے کم لینا اپنی کسر شان سمجھتا ہو صرف اس خیال سے روپیہ دیں کہ اسنے ہمسے سوال کیا ہے اگر ہم نہ دینگے تو وہ برا کہے گا یا بد دعا دیگا حالانکہ وہ ہمارے روپیہ کو بیجا کر بھنگ خریدے گا یا چرس کے دم اڑائیگا اور ایسی ہی بدمستی میں صرف کرے گا اور ایسے سائل کی پروا نہ کریں جو نہایت تباہ حالت میں تین وقت کے فاقہ سے جاں بلب ہو یا اسکا کوئی عضو بیکار ہونے سے محنت نہ کرسکتا ہو۔

حضرات اپنے خیالونکو ضعفا کی طرف مائل کرو یتیموں پر شفقت کرو۔ بیواؤنکی خبر گیری کرو۔ اپاہجونکو دو اگر نام آوری ہی مقصود ہے تو اس کار خیر میں پیدا کرو اور اپنی ہمت اس باب میں ظاہر کرو اگر رشک وتعلی کی امنگیں پیدا ہوں تو اس امر میں پیدا ہوں کہ فلاں شخص اسقدر ضعیفوں کی خبر گیری کرتا ہے تو اسقدر زیادہ کی ہم کرینگے یا فلاں شخص اسقدر کم مقدوری پر بہی اسقدر سچی خیرات کرتا ہے ہم اس سے کم مقدوری میں بہی اس کی برابری اپنا پیٹ کاٹکر کرینگے تاکہ ہمارا نام ان کریموں کی فہرست میں داخل ہو جو خود تکلیف پاکر دوسرونکو فائدہ پہونچاتے ہیں۔ یقین کرو ایک بڑا عالیشان شہنشاہ ہمارے کاموں کی جانچ پر متوجہ ہے۔ وہ وہ شہنشاہ ہے کہ پہاڑونکی چوٹیونکا ارتفاع سمندروں کے عمیق گہراؤ زبان حال سے اسکی شہادت ادا کرتے ہیں۔ خاموش تاریکیاں پرجلال روشنیاں ایام کی گرم بازی راتونکا سنسان سناٹا بیابانوں کے

وامنونکا پاٹ کواکب کی معین رفتاریں اُسکی قدرتونکے ثبوت کی مستحکم دستاویزیں ہیں پانیونکے جوش مد و جزر کی شورشیں فصلونکی تغییر کیفیات کی تاثیریں اُسی یگانۂ بے مثل کی ابدی ہستی کے گواہان صادق ہیں۔

نظم

دل بیتاب پر صرف غزلخوانی ہی مستانہ
کہ جائز ہے یہ مستی میں ہو حق بجا یا نہ

عروج پر ہے دوام ساقی قدرتکا میخانہ
مزین میہمانوں سے ہے یکسر فرش کاشانہ

گدایان در دولت کی یہ اونچی نگاہیں ہیں
لگائیں ٹھوکریں گر پیش پا ہو ٹھاٹھ شاہانہ

رسا ہے نالہ پر در و باب کبریائی تک
کبھی خالی نہیں جاتا ہے غوغائے گدایانہ

تماشا کرتے ہیں ہم شاہد قدرت کی جلوونکا
تصور سے ہمارا پردۂ دل ہے پری خانہ

مؤدب احمدی باب الٰہی پر جبیں رکھو
کہاں کا مطرب و ساقی کہاں کا جام و پیمانہ

نمبر (۹)

اثر قوت

یاران عزیز میں آپ صاحبوں کی پر آرزو نگاہوں اور پر جوش سینوں پر نظر کرکے یہ نیک فال لیتا ہوں کہ آپ صاحب بہ صدق ارادت میدان راستبازی میں قدم بڑہانا چاہتے ہیں بارک اللہ میں بہی دست بدعا ہوں کہ ہمارا پاک خداوند ہماری ہمتوں میں وسعت بخشے اسوقت آپ ساحبونکے روبرو میں صرف چند الفاظ ہی بیان کرسکونگا۔ صاحبو اگر میرے الفاظ فصیح یا برجستہ نہوں نہ سہی معانی سے غرض رکہئے اگر معانی بہی مناسب مزاج نہوں خیر محاکمہ کرکے خود نتایج مستخرج کر لیجئے مگر یقین رکہئے کہ خیر خواہانہ الفاظ کی ادا میں میرا دل میری زبان کا ہم آواز ہے میں اسوقت یہ التماس کرتا ہوں کہ تجربہ سے یہ بات پائی جاتی ہے کہ طبعی طور پر نفس انسانی حالتونکے اتباع پر دلدادہ رہتا ہے اور حالتونکے اثرونکے ایسے پیچ در پیچ پہندے ہوتے ہیں کہ انسانی ہدر کرکے آزاد اور صحیح خیالات کو ہر جانب سے پہانس کر اپنے قدم بقدم رکہنا چاہتے ہیں دانشمند وہ شخص ہے جو احتیاط کی تیز چہری سے

مضر ہندونکا کاٹتا رہے ہیں ان حالتونکی تفصیل تشریح کو کسی دوسرے وقت پر منحصر کرکے اسوقت صرف اُس حالت کا بیان کرتا ہوں جسکو قدرت اور قوت کی حالت کہتے ہیں کیا معنی یہی وہ حالت ہے جو انسان کی آنکھونکے روبرو خود پسندی کی تیز تیز شعاعیں ڈالکر چوندہیا دینا چاہتی ہے بڑے مرد میدان وہ لوگ ہیں جو اس گلشن کی سیر میں اپنا دامن کانٹوں میں نہ الجھنے دیں۔ یہ وہ محبوب عام حالت ہے جس کی تمنا میں ہر ایک دل نعل درآتش ہے مگر اوج مقصود پر پہونچکر امتحان عقل طالب ہوتا ہے عاقل ایسے کام کرتا ہے کہ بقائے قدرت و قوت ہو اور نادان وہ کام کرتا ہے کہ زوال قدرت و قوت ہو جائے الا قابل غور یہ امر ہے کہ حالت قدرت کی ہوشربا محویت نادان کو یہی یہ معلوم نہیں ہونے دیتی کہ اُسکے نخل تمنا کی جڑ میں سیلاب زوال کو راہ مل گئی ہے۔ اگر اصلاح اور احتیاط کے پشتہ سے رخنہ بندی نہ کی جاویگی تو رفتہ رفتہ بیخ و بن سے بہا لیجائیگا اگرچہ میں اس موقع پر قدرت اور قوت کی حالت سے کوئی خاص حالت قدرت و قوت مراد نہیں لیتا ہوں بلکہ حالت قدرت میں قوت مال و قوت علم و قوت معاونین و قوت بدنی وغیرہ بہی میرے حد بیان میں داخل ہیں تاہم میرے اسوقت کے بیان کے ساتھ حالت قوت مالی کو کسی قدر زیادہ چسپیدگی ہوگی وہ لوگ جو اوج قدرت و قوت پر پہونچتے ہیں اُنکو اس گلزار ہوش ربا کے خیابان اول ہی میں پہونچتے

ہی وہ دلکش صدائیں سمع نواز ہوتی ہیں ایک یہ کہ میری شان بڑی ہے اور
میں سزاوار تعظیم و توصیف ہوں دوسرے یہ کہ بہ نسبت دوسرونکے مین
آسائش پانیکا زیادہ مستحق ہوں یہ صدائیں سنتے ہی سرور کے دروازے
دل پر کھل جاتے ہیں اول اول اپنے کو ان امور کا مستحق سمجھنے میں ذرا پس و
پیش کرتا ہے مگر آناً فاناً وہ صدائیں بڑہتی جاتی ہیں اور اسباب اندرونی اور
بیرونی اُن صداؤنکی تائید میں مہیا ہونے لگتے ہیں بیرونی اسباب میں اول
یہ کہ اہل حاجت اپنی ضرورتونکی وجہ سے بضرورت اسکے تعظیم و توصیف ایسی کرتی
ہیں جسکا یہ مستحق نہیں ہوتا مگر یہ سرمست صہبائے خود پسندی یہ خیال نہیں کرتا کہ یہ
تعظیم و توصیف بہ ضرورت ہے اور عارضی طور پر مکرم و معظم قرار پانا حقیقی عظمت سے
براحل دور ہے کیا معنی حقیقی عظمت وہ ہے جو معظم کی ذات سے منفک نہو سکے
مگر یہ شیدائے تعلی اپنی عارضی تعظیم و توصیف کو اپنے حق میں حقیقی خیال کر کے
اپنی ذات کی ایک ذہنی قیمت قرار دے لیتا ہے اور ایسی قیمت قرار دے
لینے کے بعد ہمیشہ ہر شخص سے اپنی ویسی ہی عظمت و توصیف کا آرزومند
رہتا ہے جیسے دل میں قرار دے لی ہے پہر جس کی طرف سے اُس
میں کوتاہی دیکھتا ہے فوراً اُسکو گستاخ اور بدطینت دشمن سمجھکر بوجہ
اس خیالی خصومت کی بناپر اگر قابو پاتا ہے تو انتقام لینے کا ارادہ کرتا ہے
اور اس ایک طرفی ذہن میں حق و ناحق کی بھی کچھہ پروا نہیں کرنا چاہتا دوسرے

یہ کہ اگر یہ شخص مالدار ہونیکی وجہ سے سامان زینت زیادہ رکھتا ہے جیسے
عمدہ مکانات یا عمدہ سواریاں یا عمدہ پوشاکیں یا اور سامان تزک و احتشام
تو نہایت خود پسندانہ ناز سے نخوت آلود نگاہیں ہر طرف ڈالتا ہے تاکہ اپنے
ہم جنسونکے سامان تزک کا موازنہ کرے جس جگہ یہ عارضی رونق کم پاتا ہے
اُسکی ذاتی عظمت کے بہت سے اعداد اپنی خیالی فرد میں گھٹا دیتا ہے مگر نہیں
خیال کرتا کہ اپنی ذاتی عظمت کی جو ذہنی قیمت اس نے قرار دی ہے وہ خوبی
مال کے ساتھ منسوب ہے اگر ایک ہی دن میں مال دوسروں کی طرف حوادث
زمانہ سے منتقل ہو جائے تو وہ عارضی خوبی ساتھ ہی منتقل ہو جائیگی نیز سبب عمدہ غذائیں میسر ہونیکی وجہ سے قوت
بدنی بڑھجاتی ہے یا اتفاق وقت سے عرصہ دراز تک زمانہ مہلت دیتا ہے
تو خود سوز اُمنگیں دل میں پیدا ہو کر انا ولا غیری کا دم بھرنے لگتا ہے کہتا ہے
میں خود صاحب قدرت ہوں میں اسی شوکت و قوت کے ساتھ قائم رہوں گا
اگر مقدرات سے قوت بدنی اور قوت مالی کے فرحت بخش غنچے ایک ہی گلبن پر
شگفتہ ہوئے اور وہ گلبن مہلت زمانہ کے پانی سے سینچا گیا اور مذکورہ بالا
اثروں نے بزم فرصت میں رنگ جمایا تو سمجھ لینا چاہیے کہ جہاز سلامتی بہا لیجانے
کے واسطے طوفان آیا ایسی صورتیں پیدا ہوتے ہی دعوے کے الفاظ
اور غرور کے افعال بے تکلف صادر ہوتے ہیں پھر جب تک کسی ایسے
کوہ حوادث سے نہ ٹکرائے جسکے ناقابل برداشت صدمہ سے اجزاے

جہاز منتفرق ہو جانیکو ہوں تب تک ذہنی غلط خیالی پر علم نہیں ہوتا۔ جب ایسے
مرحلہ پر پہونچتا ہے کہ وہ عارضی قوت وقدرت اُسکی تنک ظرفی کی پاداش میں منجانب
کارگذاران غیب چھین لیجاتی ہے اُسوقت آنکھ کھلتے ہی خود کو ایسی حالت میں
پاتا ہے جیسا کسی نے حصول سلطنت کا نشاط انگیز خواب دیکھا ہو اور اُس کی
یاد میں سوائے حسرت وافسوس کے کچھہ حاصل ہونے کی اُمید نہو۔ بڑے
بڑے سلاطین ذیجاہ کی کشتیاں اسی بہنور میں آکر نذر گرداب بلا ہوگئی ہیں۔
حضرات ہر ایک جیتی جان اس تمنا میں مٹی ہوئی ہے کہ میں ابدی آسائش
پاؤں مگر یہ نعمت غیر مترقبہ فضل الٰہی کی بدولت اُن محتاط طبیعتونکو ملتی ہے جو اپنے
افعال کے آغاز میں استرضائے یزدان پاک جل جلالہ کی طرف ایک بیم و
رجا کی حالت میں ٹکٹکی باندہے رہتے ہیں اب میں چند الفاظ میں کسیقدر بلفیہ
صراحت اُسی حالت قوت کی کرکے عذر سمع خراشی کرنیکو ہوں یہ امر کلیتہً مسلم ہے
کہ ایسے افعال جنکے ارتکاب سے سزا اور پاداش کا مستوجب ہوجاتا ہے
حالت قدرت وقوت میں سرزد ہوتے ہیں ورنہ ناتوانی وضعف کی حالت میں
ایسے افعال کے ارتکاب کی استعداد ہی نہیں ہوتی۔ اسوقت ہم سہولت
بیان کی غرض سے مثالاً حالات سنین عمر انسانی پر بحث کرکے خیالی خاکہ مرتب کرتے
ہیں اسپر باقی حالتونکی دلفریب تصویریں احباب دانشمند خود کہینچ سکتے ہیں
انسانی زندگی کی ابتدائی حالت طفلی اور انتہائی حالت پیری ضعف وناتوانی

کی حالتیں ہیں پس ہمنے کوئی طفل نارسیدہ یا پیر نود سالہ ایسا نہیں دیکھا جو ہستیوں کے افعال کے شوق میں ناجائز طور پر دیواریں پھاندے یا جوش عشق میں رقیبوں کو زخم پہونچائے یا رہزنی کرے یا کسی کے گھر میں نقب لگائے بلکہ یہ افعال قوت کی حالت میں ظاہر ہوتے ہیں۔ اور وہی وقت احتیاط کا ہی ایک حاکم کے واسطے قابل احتیاط وہ محدود وقت ہے جب تک وہ چار بالش حکومت پر جلوہ افروز ہے احتیاط کرنے سے اُسی محدود وقت میں ملک کو سرسبز کرسکتا ہے ستم رسیدوں کو فیض انصاف پہونچا سکتا ہے دردمندانہ آہوں کو طرب انگیز قہقہوں سے بدل سکتا ہے اپنی الفت اور یاد کا تخم ان محفوظ کیاریوں میں بو سکتا ہے جنکا اصطلاحی نام دل اور سینہ ہے بد احتیاطی سے اُسی مدت معینہ میں وہ چمنوں کو جنگل شہروں کو ویرانے خندۂ دنداں نما کو گریۂ تلخ بنا سکتا ہے عام طور پر لفظ حکومت کے معنی لئے جائیں تو ایک ادنیٰ عہدہ دار اپنے ماتحتوں پر حاکم ہے اور ان سب کی حکومت کا یعنی قوت وقدرت کا زمانہ احتیاط کا زمانہ ہے اگر اس موثر وقت میں اپنے اور اپنے ماتحتوں کے درمیان ایک منصفانہ حد قائم کرکے اُس سے تجاوز نہ کیا تو حقیقی کامیابی حاصل کی ورنہ وبال ابدی سمیٹا خوش وہ عالی ہمت جو اپنے توابعین کے اکرام وناموس کا مثل اپنی ذات کے محافظ ہو اور اُنکی آسائش رسانی میں ساعی رہے صبح اگر تمہارا پنجہ زور اپنے مقابل کے ہاتھ مروڑنے کی قوت رکھتا ہے تو بجاے

اسکے کہ ایک ہم ہیچ کی قوت زائل کرو ایک غریق چاہ ادبار کی دستگیری میں امتحان قوت کرو قوت کے وقتونکو جو قیمتی ہیں بیکار صرف نہ کرو کیا معنی بیکار لوگ بستان تمدن میں نباتات خودروسے زیادہ وقعت نہیں رکھتے۔ نہ ایسے مشاغل میں صرف کرو جنکے نتائج آیندہ خوف دلانیوالے ہوں عمدہ اور کارآمد مشاغل میں صرف کرو یہ قوت کے اوقات ایام بہار ہیں جو غایت عجلت سے طائر تیز پرواز کی طرح اڑے جاتے ہیں میرے گمان میں تو یہ گلشن ایجاد جسکو دنیا کہتے ہیں ایک تجارتی منڈی ہے ہمارے مالک اور معطی نے ہماری جیب حیات میں عقل و قوت کے نقود بقدر وسعت دیکر بیوپار کے واسطے ہمکو بھیجا ہے اب ہمارا سلیقہ اور سمجھ ہے خواہ ہم جیبیں خالی کرکے ناکام پھر جائیں یا خوش سلیقگی سے منڈی کی سیر کا بھی حظ اٹھائیں اور پر نفع اجناس بھی خرید لیجائیں اے ہمارے برتر خداوند اور اے ابدی شہنشاہ تیری ہی مدد سے ہم کامیاب ہو سکتے ہیں۔

نظم

تجھکو اس میلے میں گر پر نفع سودا چاہیے
ہو اگر دل کو شگفتہ طرب کی آرزو

شوق استرضائی خلاق توانا چاہیے
غیر کے آنسو بدیدہ شفقت سے پونچھا چاہیے

طور کے جلوہ کا طالب ہے تو غفلت کس لیئے
جوش ذکر رب ارنی مثل موسیٰ چاہیئے

اندمال زخم ناکامانِ بیکس کے لیئے
مرہم کافور ہمدردی کا پھاہا چاہیئے

منعمون سے کہتے ہو حاضر ہے خدمت میں ہم
بیکسوں سے بھی کبھی پوچھا کرو کیا چاہیئے

اس چمن میں رخ بدلتا ہے ہوا کا دمبدم
خواب راحت کب تلک کروٹ بدلنا چاہیئے

ہے زمین و آسمان کا فرق قول و فعل میں
احمدی جو منہ سے کہتے ہو وہ کرنا چاہیئے

نمبر (۱۰)

پاسخ

حضرات مینے ایک مضمون اودہ اخبار کے چند صفحات میں دیکہا ہے۔ مصنف مضمون ایک عالی دماغ یورپین ہیں جنکا نام نامی **نارمن پیرسن** صاحب ہے یہ مضمون رسالہ نین ٹینتھ سنچیوری سے ترجمہ ہوا ہے۔ مضمون کے مطالب پر غور کرنیکے بعد بیساختہ میرے دل نے چاہا کہ مین اُسکے متعلق کچھ خامہ فرسائی کروں۔ مجھکو شوق مناظرہ نہیں نہ اس غرض سے جواب مضمون لکھتا ہوں بلکہ وجہ میرے جواب لکھنے کی یہ ہے کہ مصنف مضمون نے عام مذاہب کے کل اصول کو بطرز خاص ذکر کرکے ایسی بحث کی ہے جس سے مذاہب کی وقعت اہل مذہب کے دلوں سے کم ہوجائے۔ اگرچہ زیادہ تر خطاب اُس کا مسیحی مذہب والوں کی طرف ہے اور اسوجہ سے ہمکو جواب دینے کی کچھ بہی ضرورت نہ تہی لیکن چونکہ مصنف مضمون نے ایسے عام مسلمات مذہبی سے بحث کی جنکو اکثر مذاہب سے اپنے اپنے طور پر مشترک تعلق ہے۔ جیسے بہشت و دوزخ یا مواعظ مذہبی کے اثروں سے بحث کی ہے ایسی حالت

ہیں ہمارا جواب دینا گویا اپنے اُن ہم کیشان اسلام کی خدمت کرنا ہے جن کے
دلونکو ملاحظہ مضمون سے کچھہ تردد پیدا ہوا ہو یہ بھی غرض ہے کہ شاید مصنف مضمون
کی نظر سے ہمارے خیالات گزریں اور کوئی حرف یا فقرہ اُنکو پسند آکر موثر ہو۔
مضمون بہت طویل ہے ہیں اُسکے مطالب کی ضروری عبارت کا ذکر کرکے
اپنے خیالات ظاہر کرونگا۔ مصنف مضمون اس عبارت سے آغاز مضمون کرتا ہے
کہ اگر حیات بعد الممات کوئی شے ہے تو انسان کے واسطے بڑا اہم مسئلہ ہے
اگرچہ کتابوں میں بہت کچھہ اقرار و اعتراف کیا گیا ہے لیکن کسی کو پروا نہیں تعلیمات
مذہبی میں بہت کچھہ زور دیا جاتا ہے کہ دنیا فانی ہے اور بقا اُسی رنج و راحت کو
ہے جو دوسرے عالم میں ملنے والی ہے پس اس عالم کے عیش و آرام کو چھوڑکر
اپنی قوتوں اور امیدونکو آیندہ کے لئے جمع رکھنا چاہیئے لیکن ان نصیحتوں
سے کچھہ تشفی نہیں ہے عالم بقا میں گو انجام کچھہ ہی کیوں نہو مگر اس عالم میں
ہمکو محنت کرنا چاہیئے اور ہر وقت عاقبت کا خیال کرنے سے محنت کرنیکی قوت
مشلول ہوجاتی ہے عیسائی لوگونکا بہشت اور دوزخ کی نسبت جو خیال ہے
ان خیالونکا اثر انسانی افعال پر بہت کم پہونچا ہے یہودیونکے انکار عاقبت
سے لوگونکو اکثر واقفیت ہوگی لیکن اس میں شک نہیں کہ وہ معتقد اس بات کے
ضرور تھے۔ مشرقی مذہبوں میں موت یا تو فنائے مطلق تصور کی گئی ہے یا
ذات خدا میں ملجانے کی ایک ابتدائی نوبت خیال کی گئی ہے۔ ان دونوں

متضاد باتونکا اثر انسان کے دل پر یکساں پایا جاتا ہے مطلقاً معدوم ہوجانیکا خیال باطل ہے جہانتک وجود کو ترقی ممکن ہے اعلیٰ ترین کیفیت پر پہنچنا ممکن ہے۔ فنائے مطلق کے یقین کرنیوالے خوف و امید کچھہ نہیں رکھتے جسکو یہ امید ہے کہ وہ خدا کی ذات اصلی میں ملجائیگا وہ بھی بہتر حالت میں نہیں البتہ برائے نام یہ کہہ سکتا ہے کہ حیات ابدی ملگئی ایسی حیات سے تا وقتیکہ وہ ذی حیات فلسفانہ خیال میں مستغرق نہو اسکے واسطے کوئی خوشی پیدا نہیں کرسکتا۔ اسی وجہ سے معمولی آدمیونکے افعال پر ایسے خیالوں سے اثر نہیں پڑتا۔ اُسکے بعد رومیوں کی سلطنت کے زمانہ کے اعتقادات ظاہر کئے گئے ہیں۔ سیرو فصیح کا ذکر کیا گیا ہے کہ مرنے کے بعد ہمارے لئے کچھہ نہیں ہے اگر ہے تو خوشی و آرام کی زندگی ہے اسکے بعد چند سطور میں تاریخی ذکر کرکے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ سنہ ۳۰۰ء تک عاقبت ایسا امر تصور کیجاتی تھی جس کی نسبت تعلیم یافتہ مطلق خیال رجوع نہیں کرتے تھے اور نہ اُنکو عاقبت کی پروا تھی۔ اسکے بعد ذکر کیا گیا ہے کہ عیسائیت کی ترقی نے ان غافل سونیوالونکو نہایت بے سلیقگی کے ساتھ چونکا دیا دنیا ایک ایسے مذہب کے مواعظ سے درہم برہم کردی گئی جسنے یہ تعلیم کیا کہ ناجی فقط معدودے چند ہیں۔ باقی گروہ دنیا ابدالآباد تک قعر جہنم میں جلا کریگا اور انسان کی نجات صرف نکوکاری پر منحصر نہیں ہے بلکہ صحیح مسائل الٰہیات کے قبول کرنے پر نجات موقوف ہے اسوقت سے

عاقبت کا خیال ہیبت سے وسیع معلوم ہونے لگا لیکن جب یہ خیالات
پرانے ہوگئے تو ہادیان مذہب نے انواع و اقسام کی تکلیفوں اور مصیبتوں
کا بیان کرنا شروع کیا کہ سامعین کا خوف سے دم نکلنے لگا اسکے ایسے نتائج
خراب پیدا ہوئے کہ بعض لوگ تارک الدنیا ہونے لگے۔ بہتر ہے کہ اس کے
متروک کرنیکی فکر کیجائے۔ اسکے بعد ایک عبارت میں وینڈاروں کے اجمالی
خیالات ذکر کئے گئے ہیں۔ پہر بیان ہوا کہ بہتر ہے کہ اس مقدس نجات پر ہم
نکتہ چینی کریں اور پہر یہ تحریر ہوا ہے کہ اب میں پوچہتا ہوں کہ کیا حقیقت میں دنیا
کا بڑا حصہ جرائم اخلاقی یا غلط فہمی مسائل الہیات کی وجہ سے ابد تک مورد عذاب
رہنے کا مجرم ٹہرایا جاویگا۔ پہر دو تین سطر میں لکھکر سوال کیا ہے جس کا
حاصل مطلب یہ ہے کہ ممبر پراہل چرچ جو مسائل عذاب و عقاب بیان کرتے
ہیں کیا اُسپر انسان کو یقین ہوجاتا ہے۔ پہر خود ہی بیان کیا ہے کہ نہیں ہوتا۔
اسکے بعد ذکر کیا گیا ہے کہ اگر ہم ہدایت اور اصلاح کی امید پر حکما کی طرف
متوجہ ہوتے ہیں تو اُدہر ہی ٹھکانا نہیں لگتا۔ حکما کے خیالات دو طرح کے
پائے جاتے ہیں حکمائے قائلین عالم مادی مرنے کے بعد انسان کے
فنا و معدوم ہوجانے کے قائل ہیں اور حکمائے ماوی بعد مرگ موجود رہنا
تسلیم کرتے ہیں اسکے بعد چند سطور میں ایک ضمنی عبارت لکھکر یہ لکھا کہ بہشت
و دوزخ کے عیش و تکلیف کا باوصف متالہین کی تمام کوششوں کے اب تک

اثر کم پڑا ہے اور دنیا کے فوائد و راحت و رنج ہم پر بخوبی اثر کر رہے ہیں ہمکو یہ زندگی ایک راحت کی زندگی معلوم ہوتی ہے اور ہمکو ٹھیک ٹھیک معلوم ہے کہ ہمارے عیش کے کیا کیا سامان ہیں جہاں جسمانی کیفیت نہیں وہاں کے لئے ہم عیش و آرام کی ایک خیالی تصویر کھینچکر اپنا دل کیونکر سمجھائیں پھر چند سطور میں اہل دین کی توجہات کا ذکر کرکے بیان کیا ہے کہ خدا نے جو قادر و رحیم ہے دوزخ کو پیدا کیا۔ اہل دین کا تعصب اسبات کا مصر ہے کہ یہہ صفتیں ساتھ ساتھ خدا کی ذات میں موجود ہیں۔ لیکن اگر خدا دوزخ کو معطل کرسکتا تہا اور نہیں کیا تو رحیم نہیں ہے اور اگر معطل کرنا چاہتا تہا مگر نہ کرسکا تو قادر نہیں ہے۔ کیا انسان ستر برس کے گناہ ہونے ابد تک عذاب الیم میں مبتلا رہیگا تو یہ خلاف انصاف ہے اہل مذہب ذات خدا میں صفات ذمیمہ کو داخل کرنے سے انکار کرتے ہیں پہر اخلاقی اعتبار سے ایسے ذی وجود کو سرچشمۂ اخلاق نہیں کہہ سکتے جسمانی کیفیت کے لحاظ سے بہی تکلیفات دوزخ کی تسلیم میں دقت ہے مذہب والے کہتے ہیں کہ مرنے کے بعد ہم اپنے جسم کے ساتھ زندہ کئے جائینگے اور اپنے اعمال و افعال کی جوابدہی کرنی پڑیگی۔ لیکن مرنے کے بعد کہانسے وہی جسمانیت آجائیگی جو زندگی میں تہی۔

اسکے بعد آکسیجن۔ نائٹروجن۔ کاربن کے ذرات کا ذکر کرکے چند سطور کے بعد بیان کیا ہے کہ ہم اس قید کے ساتھ اپنے دنیا کے جسم کو قیامت کے

دن اُٹھنے کے لئے قائم نہیں رکھ سکتے اور اگر مرنے کے بعد اُسی طرح کے جسم میں زندہ نہ کئے جائینگے تو دوزخ کی آگ سے ہمکو مطلق خوف نہ کرنا چاہیئے۔ پھر اسکے بعد اہل چرچ کے خیالات کا ذکر کرکے بہشت کی نسبت تعلق پر راسے ظاہر کی ہے کہ بہشت میں ابدتک عبادت کرنا صرف اُنہیں لوگوں کو اچھا معلوم ہوگا جو شادی مرگ کی سقیم حالت میں مبتلا ہونا چاہتے ہوں زندہ دل آدمی کے دل پر اس خیال سے کچھہ اثر نہو گا پھر ذکر کیا گیا ہے کہ مذہب بذات خاص کوئی ایسی شئے نہیں جسکا ابدتک رہنا مقصود ہو۔ یہ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ مذہب سے تہذیب درست ہوتی ہے انسان کا تزکیۂ باطن ہوتا ہے دلکو اطمینان اور تسلی رہتی ہے لیکن اسباب کے ہم قائل نہیں کہ جو مذہب دنیا میں جاری ہیں اُن میں کوئی مذہب اسواسطے بنایا گیا ہو کہ ایجاد کی علت غائی وہ تھی اور وہی مذہب ابد الآباد تک قائم رہے۔ انسان کے دل میں جوش وخروش پیدا کرنیکے واسطے وہ اعلیٰ درجے کی قوت ہے۔ کوئی دوسری قوت اُس کی برابری نہیں کرسکتی لیکن دماغی ترقی میں اُسی سے ایک نوع کا خلل واقع ہوتا ہے اسکے بعد حکمائے قائلین عالم مادّی کے خیال کی کسیقدر صراحت کرکے یہ بیان کیا گیا ہے کہ انسان میں ایک قوی اور بہت ہی عام شعور طبعی ہے جو اسباب پر اصرار کئے جاتا ہے کہ مرنے کے بعد زندگی ابدتک قائم رہیگی۔ اس دلیل سے منطقی طور کا کوئی دعویٰ نہیں کیا جاسکتا زیادہ سے

زیادہ علت ومعلول کے اعتبار سے وہ ایک سبب اعتقاد کے جانچنے کا
ہو سکتا ہے۔ اسکے بعد قائلین عالم مادی کے خیالات پر اس عبارت سے
اعتراض کیا ہے کہ مسئلہ حکمیہ کے مطابق ایک حال پر قائم نہ رہنا چاہئے اور
قوت کے ظہور میں یہ ایک خاصیت خاص پائی گئی ہے کہ مفرد طریقہ کی قوت
زیادہ مرکب ہوتی جاتی ہے۔ مسٹر ماڈسلی نے ثابت کر دکھایا ہے کہ روحی
قوت ایک خفیف قوت ہے پیدا کرنیکے واسطے اس سے بہی کم مقدار کی مرکب
اور صنعتی قوت درکار ہوتی ہے اور مرکب حیاتی قوت میں ترقی کرسکتی ہے۔ اس
اعتبار سے معلوم ہوتا ہے کہ قوت کی رفتار ادنی اسے اعلی حالت کی جانب
عروج پذیر ہوتی ہے۔ اسی طرح تنزل بہی واقع ہوتا ہے جسطرح مرنیکے
بعد آلات جسم کی قوت زائل ہوجاتی ہے لیکن تنزل کی رفتار ایک صنعت خاص
کی پابند معلوم ہوتی ہے۔ اس امر کے باور کرنے کی وجہ پائی جاتی ہے
کہ ذوی حیات آلات کا مادہ مرنیکے بعد ہمیشہ جسمانی انقلاب ہیئت کی ٹہیک معکوس
راہ اختیار نہیں کرتا اور کسی ذیحیات مرکب میں مستعمل ہوجانے سے قبل
ہمیشہ زور نہیں کرتا جسطرح طبعی قوت کی ترقی کی ترتیب کے ساتھ روحی اور
کیمیائی قوت سے ارادی اور حیاتی قوت تک عروج حاصل کرتی ہے اور
ادنی قسم کی ذی حیاتی سے اعلی قسم کی ذی حیاتی تک ترقی ہوتی ہے۔
اُسی طرح باطنی ترقی میں بہی کو الف حسیہ اور نفس امارہ اور قوت باعثہ اور

قوت مجوزہ سے ترقی ہوتے ہوتے ایک اعلیٰ باطنی قوت یعنی نیت نیک پیدا ہوتی ہے اور جب روحی قوت ترقی کر کے کسی ذی حیات قوت تک عروج کرجاتی ہے تو پہر بالعوض اُسکے تنزل ہوکر روحی قوت کی حالت پر پہونچ جانے کے بجائے وہ اپنی اصلی کیفیت پر قائم رہ جانے کی طرف مائل ہوتی ہے اسکے بعد حکماے قائلین عالم غیر مادی کا ذکر کر کے رائے ظاہر کی ہے جسکا حاصل مطلب یہ ہے کہ ان حکما کے بیان سے عاقبت کا وجود ثابت ہوتا ہے لیکن سواے زبانی اقرار کے اور کچھ نہیں۔ جب ہم تمام عالم کو فقط ایک روح تصور کرتے ہیں تب بہی دقت ہے کیونکہ مادہ و نفس ذہن جسم و روح میں اپنے اپنے طور کا امتیاز ہے ہم مادہ کو تصور کرسکتے ہیں لیکن جوہر یا روح یا نفس ذہن کو تصور نہیں کرسکتے۔ اگرچہ حکما کے اقوال سے دوزخ کا خیال باطل ٹہرتا ہے اور اس بارے میں اہل دین کے مسائل پر اُسکو تفوق ہے لیکن بہشت کا خیال جو اُنکے اقوال سے پیدا ہوتا ہے اگرچہ وہ اہل چرچ کے بہشت کے بیان کی طرح قابل مقبول نہو لیکن ان اقوال سے بیشک ایک حالت آرام کی قیاس کی جاتی ہے اور یہ سچ ہے باطنی خوشی بیشک صحیح ہے اور اس میں گنجائش اعتراض کی نہیں ہے۔ اسکے بعد چند سطور میں خاص بحث کر کے یہ راے ظاہر کی ہے۔ اُن حکیموں کی راے برسر صواب ہے جو کہتے ہیں کہ مرنے کے بعد ہم درجہ بدرجہ علی الاتصال

ترقی کرتے جائینگے اور وقتاً فوقتاً روحانیت بڑہتی جائیگی۔ ہمارے دوران زندگی کی ہر ایک نوبت میں کسی نہ کسی قدر ترقی ہوتی جائیگی تاکہ دوسری نوبت میں اطمینان سے رہیں۔ میں ایک مثال دیتا ہوں جسوقت کوئی کشتی گیر کشتی کا قصد کرتا ہے تو وہ اول
غذا اور کثرت کے ذریعے سے خود کو اُس کام کے لائق بناتا ہے۔ ضعیف الدماغ اور بے پروا لوگ ایسی باتونکو چھوڑ دیتے ہیں۔ حالانکہ ترک کرنا نہ چاہیئے کیونکہ ایسی محنتونکا بقدر اُنکے نعم البدل ملتا ہے اسی طرح جس کی روحی قابلیت باطنی انتقام سے گھٹ جائیگی مقابلہ کے وقت اسیقدر اسکو روحی اذیت پہونچے گی۔ اعلیٰ درجہ کی خوشی ہمکو اُسوقت ہوگی جب انسان اور انسان کے علائق متحد ہوجائینگے جب تک وہ اس درجے تک نہ پہونچے تمام مصیبتوں میں مبتلا رہے گا۔ پس ہم اور ہمارے علائق کے متحد ہوجانیکا نام بہشت ہے اور دوزخ اُن تکلیفات کا نام ہے جو انسان کو موجودہ حیثیت سے بڑھکر کام کرنے میں حاصل ہوں۔ بہشت کوئی ایسی عجیب شئے نہیں جسکو خدا نے کسی خاص معتقدین مذہب کے واسطے رکھ چھوڑا ہو۔ اسی طرح دوزخ بھی کوئی مقام سزا نہیں پھر بیان کیا گیا ہے کہ خواہ یہ مسئلہ صحیح ہو یا غلط لیکن نہ علم الہیات سے مستعار لیا گیا نہ کسی حکیم کے قول سے واسطہ ہے بلکہ درجہ بدرجہ ترقی کرنے کے مسئلہ پر منحصر ہے جو روزمرّہ

تجربہ سے ثابت ہے۔ میری طرح قائلین خدا اس ضابطہ ترقی کو خدا کی مشیت پر محمول کر سکتے ہیں مگر خدا کی صفتوں سے متعلق نہیں کر سکتے نیکی اور بدی۔ راحت و رنج کی نسبت جو ہمارے خیالات ہیں وہ بالکل ہمارے علائق پر منحصر ہیں۔ قوت کے افعال نے جب ایک خاص روحی کیفیت اشیا کی پیدا کر دی تو زندگی کی بعض مخصوص صورتیں ظاہر ہوئیں لیکن قیام فقط اُنہیں صورتوں کو ہوا جو اپنے روحی علائق کی مناسب حال تہیں۔ تجربہ سے ثابت ہے کہ لکھوکہا مخلوقات جو کامل طور سے متصف نہ تہیں ہلاک ہوگئی ہیں۔ ایک صورت سے دوسری صورت فطرتاً اعلیٰ درجہ کی نہیں ہے خارجی قوتیں متحقق طور پر افعال کے خلاف ہیں زندگی کی ایک صورت جو دوسری صورت سے ادنیٰ ہو اُسکے قیام کی فقط ایک ہی وجہ ہو سکتی ہے کہ وہ ان قوتوں سے مقابلہ کرے یا اُنکے ساتھ رکھنے کے زیادہ مناسب حال ہو کرہ زمین پر موسمونکے خفیف تبدیل ہوتے یا اُسکے ارکان کے منقسم ہو جانے سے دونوں صورتونکے نتیجوں کو خلاف ایک دوسرے کے واقع ہونا چاہئے ممکن ہے کہ رحمت کا بھی اثر ہوتا ہو ہم قادر مطلق کو صانع نہ کہنے کی حالت میں بھی یقین کر سکتے ہیں کہ ہوتا ہوگا مگر ثابت نہیں کر سکتے درجہ بدرجہ ترقی کرنیکے واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ اس ترقی کا عمل برابر ہوتا جائیگا خواہ کوئی خدا ہو یا نہو۔ اسکے بعد ایک بحث کی گئی ہے جسکا حاصل مطلب یہ ہے کہ ہماری کیفیت آیندہ روحانیت میں

ایک بڑی ترقی کی گئی لیکن بدون تعلق مادہ کے یہ ترقی ناممکن ہے کیونکہ علم طبیعات کے خلاف ہے۔ اس بحث کے ثبوت میں یقینی علم حاصل ہونا غیر ممکن ہے ایسی حالت میں قیاس ہی گراں قدر ہے۔ روح بدون تعلق مادہ کے کبھی پائی نہیں گئی روح اور جسم علی التساوی قدیم ثابت ہوتے ہیں حدوث کسی کا بھی ثابت نہیں ہوتا۔ آیندہ جسم کا فنا ہوجانا خلاف قیاس ہے کیونکہ جس حالت میں عدم محض سے کسی شئے کا موجود ہوجانا خلاف قیاس ہے تو بالعکس اُسکے موجود سے معدوم ہوجانا بھی خلاف قیاس ہے۔ اس محل پر ماہرین علم فلسفہ و الٰہیات سب رُک جاتے ہیں۔ ابتدا میں روح اور جسم کا بغیر کسی علت کے پیدا ہوجانا ثابت بھی ہوتا ہے خلاف قیاس بھی ہے۔ پھر ایک بحث کی گئی ہے جسکا حاصل مطلب یہ ہے کہ اگر بہشت میں فقط روحانیت ہوئی جسم نہ ہوا تو ہماری خوشیوں کے احتمال کا بہت بڑا حصہ جاتا رہیگا۔ کیونکہ ہم بہشت کی خوشی کا خیال جب کرتے ہیں تو مفہوم ہمارا دنیا کی خوشیونکے خیالات پر ہوتا ہے۔ پھر ایک بحث شروع کر کے نتیجہ یہ نکالا ہے کہ اہل مذہب جو بہشت کے مشاغل کی نسبت یہ کہتے ہیں کہ وہاں ایسے مشاغل ہونگے کہ دنیا کی طرف مطلق رغبت نہوگی اور وہانکی لذتیں دنیا کے مزونکے مغائر ہونگی یہ بیان فرضی معلوم ہوتا ہے کیونکہ جب جسمانیت باقی نہ رہیگی تو ان خیالونکا قیاس کرنا محال معلوم ہوتا ہے۔

ہماری فطرتی عقل ہمکو اس امید رکھنے پر مجبور کرتی ہے کہ بہشت کا دروازہ
ہر شخص کے لئے کھلا رہے گا۔ یہ کب ہو سکتا ہے کہ بندوں کا ایک بڑا حصہ ابد
تک عذاب الیم میں مبتلا رہے گا جسکو ہم غلطی سے روح کہتے ہیں وہ موت
کی ایک مرکب صورت ہے قوت ہمیشہ اعلیٰ کی جانب عروج پذیر ہوتی ہے یعنی
زیادہ مرکب ہوتی جاتی ہے۔ طبعی قوت کی ایک معین مقدار سمٹتے سمٹتے
ایک مقدار کی کیمیائی قوت ہو جاتی ہے اسکے بعد اسکو اور ترقی ہوتی ہے
تو مقدار میں کم مگر خواص میں بہت اعلیٰ ہوتی ہے۔ جاندار ہو جانے کے بعد
اسکی ترقی موقوف نہیں ہوتی۔ روح اس قوت کی ایک اعلیٰ کیفیت ہے۔
جب قوت اس کی کیفیت پر پہونچ جاتی ہے تو اس کی ترقی اسباب
کے لئے کافی ہوتی ہے کہ ایک شخص خاص کا کانشنس یعنی وقوف مطلق
پیدا کردے۔ اگر بقول حکما یہ سچ ہے کہ کثرت عالم کے پیچھے ایک وحدت
روپوش ہے تو نفس ذہن میں ادنیٰ درجے کی قوت اعلیٰ درجے کی قوت کی
طرف ترقی کرتی جاتی ہے ترقی کرتے کرتے وہی قوت کانشنس کے درجہ
کو پہونچ جاتی ہے۔ سائنس سے معلوم ہوتا ہے کہ عالم مادی میں بھی یہی طریقہ
جاری ہے ادنیٰ درجہ کی مخلوقات جاندار محض مضغۂ گوشت ہیں بعضے اُن
میں مسامات اور حس وحرکت نہیں رکھتے صرف جاندار ہوتے ہیں۔ بعضے
جاندار حد حیوانات ونباتات کے درمیان ہوتے ہیں۔ دوسرے

درجے میں حیوانات ذی مسام ہیں مگر وہ بھی عمدہ حالت میں نہیں اگر ایسے
حیوانات اپنی اشیائے گردوپیش کے مناسب حال ہوتے ہیں تو
زندہ رہتے ہیں ورنہ مرجاتے ہیں رفتہ رفتہ مناسب ترین مخلوق زندہ رہتے
رہتے اعلیٰ درجہ کی مخلوق ہوجاتی ہے خارجی حوادث سے اُسکی حس وحرکت
بڑھجاتی ہے۔ اسی طرح ترقی کرتے کرتے کیڑے استخوان دار حیوان
کی شکل میں ترقی کرجاتے ہیں باطن میں وہی قوت ترقی کرتے کرتے وقوف
مطلق پیدا کردیتی ہے۔ مرنیکے بعد ہم خوشی سے مستفید ہونگے حیات
آیندہ میں توالد وتناسل نہوگا اسکی ضرورت بھی نہوگی ذہنیات میں ترقی
ہوتی رہیگی خواہش جماع نہوگی اور پھر انسان ایسے اعلےٰ درجے
کی نوبتوں پر پہونچکر موت سے متضرر نہ ہوسکے گا۔ انقلاب کسی دوسرے
طریقے سے ہوتا رہیگا ان حالتوں میں ہمارا خدا سے کیا تعلق ہے میرا
عقیدہ خدا کی نسبت عملاً ایک انکاری طور کا ہے اور بجز اس عقیدہ کے
کے اور عقیدہ ممکن ہی نہیں۔ باعتبار ذات میں خدا کے وجود پر یقین
رکھتا ہوں گو میں اسکے خلاف اعتقاد رکھنے میں کوئی امر خلاف اخلاق
نہیں پاتا میں عالم کو شکل فی الخارج تصور کرتا ہوں ان اشکال کے
لئے اسیطرح کی علت درکار ہے ایسی علت کو میں یقین کرتا ہوں کہ خدا
ہے لیکن ایسے خدا کو میں ادراک نہیں کرسکتا۔ اخلاق اور نیکی حالت

کمال پر پہونچکر معدوم ہو جائینگے کیونکہ نیکی سے بدی کا احتمال پیدا ہوتا ہے اور بدی کا ہونا خلاف قیاس ہے۔ اگر یہ سوال کیا جائے کہ ان سب باتوں کا خاتمہ ہو کر درجہ بدرجہ ترقی کا عمل ختم ہو جائیگا تو کیا مستقل حالت قائم ہو جائیگی۔ تو جواب یہ ہے کہ ہم حالت اطمینان کو عزیز اور تغیر و تبدل کو بُرا سمجھنے کے عادی ہو گئے ہیں دنیا کا انجام حرکت ہے نہ کہ سکون پس تغیرات سے ہمکو کوئی تکلیف یا بے چینی نہو گی کیونکہ ہماری ساخت فوراً ضرورت کے مطابق موزوں ہوتی جائیگی معہذا ابد تک وجود کے ہوتے جانے کی تکلیف اور دقت نہیں ہو گی۔ بلکہ برابر کیفیتیں بدلتی رہینگی لیکن اس تغیر سے ہمپر علم اور عیش اور خوبصورتی کی نئی نئی باتیں منکشف ہوتی رہینگی۔ غرض اس تقریر کا حاصل مطالب مفصلۂ ذیل امور ہیں **اول** یہ کہ مذاہب کے اصول غلط ہیں اور بانیان مذہب کے خیالات غلط تھے **دوم** یہ کہ ہادیان مذہب کے مواعظ غیر موثر ہیں اور انپر متوجہ ہونیسے محنت کی قوت ضعیف ہو جاتی ہے **سوم** یہ کہ تکلیفات عاقبت کا ذکر ہونیسے خراب نتائج پیدا ہوئے **چہارم** یہ کہ بروے اصول مذاہب جو دوزخ و بہشت فرض کی گئی ہے وہ غلط ہے۔ بلکہ دوزخ و بہشت وہ ہے جو مضمون میں قیاس سے فرض کی ہے **پنجم** یہ کہ دوزخ کا عذاب و عقاب نہوگا کیونکہ جسم بعد مرگ باقی نہیں رہ سکتا اور

بحالت قائم نہ رہنے جسم کے عذاب نہیں ہوسکتا **ششم** یہ کہ نجات کے واسطے مسائل الٓہیات کا قبول کرنا شرط نہ ہونا چاہیئے **ہفتم** یہ کہ کیا ستّر برس کے گناہ ہونے سے ابدی عذاب کا کوئی مستحق ہوسکتا ہے **ہشتم** یہ کہ بہشت میں دنیا کی معمولی راحت وآرام کے سامان نہونے سے انسانی روح فرحت حاصل نہیں کرسکتی **نہم** یہ کہ مذہب سے تہذیب وتزکیۂ باطن ہوتا ہے تسلی رہتی ہے لیکن دماغی ترقی میں خلل پیدا ہوتا ہے۔ **دہم** یہ کہ خدا نہیں ہے اگر ہے تو امور عالم سے اُسکو کوئی علاقہ نہیں - امور عالم اُسکی مشیت سے ہوں تو ہوں مگر اُسکی صنعت نہیں ہیں۔ **یازدہم** یہ کہ خدا نہ علیم ہے نہ قدیر ہے نہ ہمکو یا کسی کو خدا سے کوئی نفع یا ضرر پہونچتا ہے۔ **دوازدہم** یہ کہ سب درجہ بدرجہ ترقی کرتے جائینگے - اعلیٰ ترقی پر پہونچکر موت سے متضرر نہو سکینگے - توالد وتناسل کا قاعدہ اُٹھ جائیگا - ذہنیات میں ترقی ہوتی رہیگی - انقلاب کسی دوسرے طریقے سے ہوتا رہیگا **سیزدہم** یہ کہ دنیا کا انجام حرکت ہے نہ سکون **چہاردہم** یہ کہ ہمکو تغیرات سے کوئی تکلیف نہوگی ہماری ساخت ضرورت کے مطابق موزوں ہوتی جائیگی ابد تک برابر کیفیتیں بدلتی رہینگی - اس تغیر سے ہم پر علم وعیش وخوبصورتی کی نئی نئی باتیں منکشف ہوتی رہینگی -

یہانتک میں نے مصنف مضمون کے مطالب کی صراحت کی اب میں بقدر فہم خود جواب عرض کرتا ہوں اور جوابی عبارت میں مصنف مضمون کو میں صرف لفظ مصنف سے خطاب کرونگا۔ امر اول کی نسبت جو کچھ بیان کیا ہے وہ محض تحریری بیان ہے۔ بیان کی تائید میں دلائل و براہین کچھ ذکر نہیں کئے گئے۔ محض ذاتی سادہ بیان کا یہی کافی جواب ہے کہ مصنف صاحب کو بانیان مذہب کی عظمت و کمالات سے پوری آگاہی نہیں اور نہ مذاہب کی عظمت سے آگاہ ہیں قطع نظر مذہبی دلائل کے یہ بات کیا کم ہے کہ دنیا کے آدمیوں کی تعداد پر جب نظر کیجائیگی تو زیادہ حصہ انسانوں کا پابند مذاہب و عقائد پایا جاویگا اگر مذہب کی عظمت سرسری اور اسکے اصول محض خیالی ہوتے تو اس کثرت سے لوگ خود کو ایسی پابندیوں کا اسیر بخوشی تمنا نہ کرتے۔ شاید کوئی یہ کہے کہ اگر سب مذاہب حق بجانب ہیں تو اختلاف کیوں ہے اور اختلاف کی حالت میں پایۂ عظمت مذہبی کا بہت گھٹ جاتا ہے تو میں کہہ سکتا ہوں کہ جو اختلاف اہل مذاہب میں ہے وہ اپنے اپنے مذہب کے اشرف و اعلی ہونیکے متعلقات میں ہے اور یہ امر یقینی ہے کہ خالق اکبر کے نزدیک جو مذہب عمدہ اور حق ہے اسی کا پایہ بہت اعلی ہے لیکن عام طور پر اس خاص خیال سے قطع نظر کرکے محض انصاف کی نظر سے تمام افراد عالم

کو دو فریق پر تقسیم کر کے موازنہ کرو تو حقیقت حال کھل جائیگی۔ یعنی ایک فریق وہ فرض کرو جو کسی
قسم کا عقیدہ یا مذہب رکھتا ہو اور ایک فریق وہ فرض کرو جو کوئی عقیدہ یا مذہب نہیں رکھتا۔ بالیقین تہذیب
و راستبازی اسی فریق میں زیادہ پائی جائیگی جو پابند مذہب ہے اس
دلیل سے ثابت ہو گیا کہ پابندی مذہبی گو کسی قسم کی ہو آزادی محض سے جسکو
آوارگی کہنا چاہیئے بدرجہا بہتر ہے۔ مذاہب کی عظمت کی کمی بیشی کی مثال
ایسی سمجھنا چاہیئے جسطرح کسی فریق کے پاس قند سیاہ ہو اور کسی کے
پاس شکر۔ کسی کے پاس مصری۔ اور کسی کے پاس قندِ مکرر ہو تو ان
اشیا کی عمدگی میں بقدر درجات سب سے گھٹتا ہوا نمبر قندِ سیاہ
کا ہوا لیکن کسی بدمزہ اور پھیکی شے کے مقابل میں قند سیاہ کا پایہ پھر اعلی
ہے کیونکہ یہ کمی بیشی تو باہمی مناسبتوں کے اعتبار پر قرار دی گئی ہے۔
اس سے یہ کب لازم آویگا کہ قند سیاہ باعتبار صفائی و خوش مزہ ہونیکے
اگر شکر و مصری سے کم ہے تو لکڑی کے بُرادہ سے بھی کم ہو۔ پس جو مذاہب
کہ عمدہ اور برحق ہیں اُنکے شرف و عظمت کا پایہ تو بہت بڑا ہے کم سے کم درجہ
مذہب میں بھی جب اُسکے اصول پر نظر کیجائیگی تو اگرچہ اُس کی پرستش کے
طریقے و احکام مذہبی کیسے ہی ہوں بہرحال اُس میں تہذیب اخلاق یا ہمدردی
باہمی صدقات و خیرات کے متعلق تاکید کسی نہ کسی پیرایہ میں پائی جائیگی۔
ایسی حالت میں کیونکر تسلیم کیا جا سکتا ہے کہ مذہبی پابندی قابل وقعت نہیں

امر دوم کی نسبت شاید میرا یہ بیان کرنا بےمحل نہو کہ ادیان مذہب کے مواعظ اگر موثر نہوتے تو عیسائیونکے مساکن میں لاکھوں گرجا۔ اہل اسلام کے ممالک میں لاکھوں مسجدیں۔ ہنود کے مقامات میں لاکھوں مندر و شو اسلے اور مختلف مذاہب کی مختلف لاکھوں پرستشگاہیں جن میں کئی ارب سے زیادہ روپیہ صرف ہوا ہوگا کیونکر تعمیر ہوتے مختلف طریقونسے سب مذاہب میں سالانہ کروڑوں روپیہ کی خیرات ہوتی ہے یہ کیونکر ہوتی۔ یہ سب کچھہ ادیان مذہب کے مواعظ کا اثر نہیں ہے تو پہر کیا ہے۔ وقتاً فوقتاً مذہبی لوگوں میں جوش مذہبی پیدا ہوکر بڑی بڑی یادگار جنگیں واقع ہوئی ہیں پہر مواعظ کا اثر نہیں تو کیا خود بخود کوئی سر بہ کف ہوکر جان تصدق کرنیکو موجود ہوتا ہے میرے اس بیان کا تجربے اور تاریخ سے برابر ثبوت ملتا ہے مصنف صاحب بہلا یہ تو ثابت کردیں کہ ابتداءے زمانہ سے آجتک سواے مذہبی لوگونکے اور کسی فریق نے جہاد کیا ہو۔ اور یہ جو مصنف صاحب نے بیان کیا ہے کہ مواعظ کے سننے اور عاقبت کے خیال سے محنت کی قوت ضعیف ہوجاتی ہے اسپر کوئی دلیل پیش نہیں کی صرف خیالی دعوے ہے۔ میں تو یہ خیال کرتا ہوں کہ عاقبت کے خیال سے انسانوں میں ناجائز امور کے ارتکاب سے خوف پیدا ہوکر نیک کاموں کی طرف میلان ہوجاتا ہے جو کسی طرح بیجا نہیں۔

بلکہ ضرور ہے اور اگر کسی فرد خاص کو شوق خدا پرستی یا خوف عقبیٰ اسقدر غالب ہوا کہ اُسنے ترک تعلقات ظاہری کر کے اپنے معبود کی یاد میں ہمہ تن متوجہ ہوا تو اُسکا یہ فعل کیا قابل اعتراض ہے۔ میرے گمان میں تو یہ فعل بشرطیکہ محض جوش باطنی سے بغیر شکوک ریاکاری و کاہلی کے ہو نہایت عمدہ ہے ایسا جوش اور ایسا خوف کیا محض خیالی ہے۔ کیا مصنف صاحب یا کوئی شخص ایسی ضمانت کر سکتا ہے کہ وہ کسی کو مرنے نہ دے گا یا خود نہ مرے گا۔ اور جبکہ ایسا نہیں ہے تو کیا عاقبت اندیشان انجام بیں اپنی آیندہ آنیوالی حالتوں کی اصلاح و فکر میں متوجہ نہوں اگر یہ کہا جائے کہ مذہبی مواعظ میں جو ذہن نشین کیا جاتا ہے وہ فرضی ہے تو ایسے دعوی کے ثبوت میں سوائے قیاسی و فرضی دلیل کے کیا کوئی ایسی قطعی دلیل مصنف صاحب کے پاس ہے کہ اُس سے آیندہ آنیوالی حالتوں کی ایسی تصویر پیش نظر ہو جائے کہ مواعظ مذہبی کی وقعت زائل ہو جائے جبکہ نہیں ہے تو خود ہی غور کر سکتے ہیں کہ اعتراض کا پایہ کسقدر گھٹ گیا۔

امر سوم کا جواب ضمنی طور پر جواب امر دوم میں ادا ہو چکا ہے امر چہارم کے متعلق جو بہشت و دوزخ کے وجود سے اُس طریقہ پر انکار کیا گیا ہے جو اہل مذہب بیان کرتے ہیں اُسکے متعلق کوئی دلیل کافی پیش نہیں کی گئی۔ امر پنجم کے متعلق جو بحث کی گئی ہے اُسکا حاصل مطلب یہ ہے کہ

ہر گاہ جسم بعد مرگ باقی نہیں ہوگا تو دوزخ کا عذاب و عقاب کیونکر ہوگا۔
اسکے متعلق شاید میرا یہ جواب پسند آوے کہ اگر مصنف صاحب کو احکام
مذہب کے متعلق شک ہے اور عقلی دلیل کی ضرورت ہے تو میں کہہ
سکتا ہوں کہ عذاب و تکلیف کا تعلق بحالت موجودگی اس جسم کے بھی روح
سے ہے جسم سے نہیں ہے تجربہ شاہد ہے کہ جو عضو کسی انسان کا بیکار ہوکر
سوکھ جاتا ہے اُسکی قطع برید سے کوئی تکلیف نہیں ہوتی بلکہ تکلیف اُسی
عضو کو ہوتی ہے جس میں روح ہو۔ پس ثابت ہے کہ تعلق آرام یا تکلیف
کا روح سے ہے اور خود روح ہی مدرک ہے ایسی حالت میں جسم کے موجود
نہ ہونیسے روح کا تکلیفات سے محفوظ رہنے کا خیال نہ رہا۔ یہ جواب میں نے
اُس شرط فنائے جسم کو فرض کرکے دیا ہے ورنہ ہم خدا کی قدرت سے
یہ امر بعید نہیں سمجھتے کہ یہی دنیا کا جسم دوبارہ عنایت فرمائے مصنف صاحب
نے آکسیجن و نائٹروجن کا ذکر کرکے یہ مراد لی ہے کہ ہر گاہ اس زندگی میں جسم کے
اجزا فضول ہو ہو کر جسم سے خارج ہوتے رہتے ہیں تو ذرات کہاں سے
جمع کئے جائینگے بہ ایں خیال میں تو شاید مذہبی کتابوں میں یہ صراحت
کہیں نہیں کی گئی کہ اجزائے فضول خارج شدہ سمیت اجزائے جسم کا
جمع ہونا لازمی ہوگا بلکہ وہ اجزائے جسم جو وقت مرگ روح نے چھوڑے
اگر قدرت اُنکو اپنے علم میں محفوظ رکھکر کسی وقت خاص میں پھر عنایت فرماوے

تو کیا یہ امر قدرت کے نزدیک ناممکن ہے میں اس امر پر زیادہ زور دینا نہیں چاہتا صرف یہ کہتا ہوں کہ مصنف صاحب خدا کی قدرتونکا اندازہ اپنی قدرت و قوت پر نظر کر کے کرتے ہیں انکو جو امر اپنی قدرت سے زیادہ معلوم ہوتا ہے یا جو امر اُنکے قیاس میں مشکل معلوم ہوتا ہے وہ اُس امر کے وجود ہی سے انکار کرتے ہیں حالانکہ یہ دعویٰ درست نہیں ہے خدا کی قدرتیں اور کام تو بجائے خود ہیں ادراک بشری کی کیا قدرت ہے جو انپر حاوی ہوسکے دنیا میں عاقل انسانونکے ایسے کام ہیں کہ جاہل و ناتجربہ کار انسان اُن کے وجود سے انکار محض کرتے ہیں اور جب آنکھوں سے دیکھتے ہیں تو حیرت میں پڑتے ہیں دیکھو یورپین نے جو تار برقی ایجاد کی جس ملک میں یہ نہیں ہے اور جس ملک کے لوگونکو اسکا تجربہ نہیں ہوا انکو مصنف صاحب دلیل کر کے اقرار نہیں کرا سکتے کہ تار برقی کے ذریعہ سے ہزاروں کوس ایک ساعت میں خبر جاتی ہے تاوقتیکہ وہ خود تجربہ کر کے دیکھ نہ لینگے کبھی کسی دلیل کو تسلیم نہ کرینگے جب کہ یہ حال ہے تو مصنف صاحب کو بھی ایک وقت خاص کا انتظار کرنا چاہیے جو ضرور پیش آنی ہے۔ خود ہی ظاہر ہو جائیگا کہ حقیقت واقعی کیا ہے۔ امر ششم کے متعلق مصنف صاحب اس خیال سے متعجب ہیں کہ نجات کے واسطے سوائے نیکوکاری کے قبول مسائل آلہیات کیوں شرط ہو گویا اس بیان سے یہ ثابت کرنا چاہتے

ہیں کہ نجات کے واسطے صرف نیکوکاری کے افعال کافی ہونا چاہئیں اقرار
باری عزاسمہ کے یا مسائل توحید باری عزاسمہ کی ضرورت نہیں۔ میں جواب میں
التماس کرتا ہوں کہ اول تو نیکوکاری کے افعال ہی باری عزاسمہ کے ساتھ
لازم وملزوم ہیں کیونکہ حقیقی طور پر نیک افعال وہی شخص اختیار کریگا جو کسی معطی سے
جزا پانے کی امید رکھتا ہوگا اور ظاہر و باطن میں بُرے کام وہی ترک کرے گا جو
ایک صاحب قدرت منتقم سے خائف ہوگا، اس بیان کے الفاظ سے
یہ ثابت ہوتا ہے کہ نیکوکاری کی ترغیب بھی خوف ورجا کے ساتھ وابستہ
ہے اور حقیقی خوف و رجا کا تعلق اُسی پاک خداوند سے ہے جو سب کا خالق
ہے اس بحث سے قطع نظر کرکے اب میں یہ ظاہر کرتا ہوں کہ مصنف صاحب
کا جو یہ منشا ہے کہ نجات کے واسطے محض نیکوکاری شرط ہونا چاہیے قبول
مسائل الہیات کی ضرورت نہیں یہ مصنف صاحب کا ذاتی خیال ہے کیونکہ
اس دعوے کے واسطے بھی کوئی برہان پیش نہیں کی گئی۔ مصنف صاحب
اگر احکام مذہبی کے مطابق اس امر کو تسلیم نہیں کرتے تو ایک ظاہری
دنیا کی مثال بیان کرتا ہوں دیکھو کسی سلطنت میں کوئی فرد رعایا اپنے ذاتی
افعال میں کیسا ہی راستباز اور نیکوکار ہو لیکن بادشاہ وقت کا انکار کرتا ہو
اور اُسکے احکام کو درست نہ جانتا ہو تو ایسی حالت میں باوصف نیک چلن ہونے
کے بھی وہ ضرور سلطنت کا باغی قرار پاکر مستوجب سزا کا ہوگا جب کہ یہ

حال ہے تو صرف نیکوکاری پر نجات حاصل ہونا کیونکر ہو سکتا ہے تاوقتیکہ
ذات خدا کا اقرار نہ کیا جائے۔ امر ہفتم کے متعلق یہ گذارش ہے مصنف صاحب
تعجب سے یہ ظاہر کرتے ہیں کہ کیا ستر برس کے گناہ ہونے ہمیشہ کوئی عذاب
میں مبتلا رہ سکتا ہے۔ اس بیان سے شاید مراد مصنف کی یہ ہے کہ سزا کا
زمانہ زیادہ سے زیادہ جرائم کی وقوع کی مدت سے زیادہ نہونا چاہیئے اسپر
بھی کوئی قطعی دلیل پیش نہیں کرتے اسکا جواب بھی میں ظاہری مثال سے دیتا ہوں
مصنف صاحب نے بخیال خود کمال دانشمندی سے وقوع جرائم اور سزا کے
زمانہ کا موازنہ اور حساب تو کیا اور اسی حساب کی بنا پر فرضی دعوے کو مستحکم
کرنا چاہتے ہیں مگر جرائم کی حالت پر نظر نہیں کرتے۔ بعض جرائم ایسے ہوتے
ہیں کہ گو اُنکے ارتکاب میں کسیقدر زمانہ گذرے لیکن سہل سی سزا اُنکی پاداش
میں کافی ہوتی ہے اور بعض جرائم کے وقوع کو چند منٹ سے زیادہ وقت
نہیں گذرتا مگر اُسکی سزا کا زمانہ بہت دراز ہوتا ہے دیکھو ایک شخص نے
کسی ناکردہ گناہ کو قتل کردیا یا ایک باروت خانے میں ایک چنگاری آگ کی
رکھدی جس سے صدہا جانوں کا نقصان ہوا تو ظاہر ہے کہ ان افعال کے
ارتکاب میں کچھہ زیادہ وقت صرف نہیں ہوا لیکن مجرم سزائے موت پاویگا۔
یا مدت العمر قید کیا جائیگا۔ جب دنیا کے جرائم اور سزا کا یہ حال ہے تو اسی
طرح شرک وکفر وغیرہ جرائم کی سزا میں اگر کوئی ہمیشہ مبتلائے عذاب رہے

جو منزلہ دنیا کے دائم الحبس ہونیکے ہے تو پھر مصنف صاحب کو تعجب کیوں ہے۔ امر ہشتم کے متعلق شاید یہ جواب کافی ہو کہ بہشت کی نعماء دنیا کی نعمتوں سے ہزاروں درجہ عمدہ اور بہتر ہیں کوئی شخص کیسا ہی کسی ادنیٰ شئے کا عادی ہو جب اعلیٰ شئے اُسکو نصیب ہو گی وہ پھر ادنیٰ شئے کو کبھی یاد نہیں کریگا خود دنیا میں تجربہ شاہد ہے جوار کی روٹی کہانیوالے کو شیرمال اور باقرخانی اگر میسر ہو تو پھر وہ عادت کی وجہ سے شیرمال کے مقابلے میں کبھی جوار کی روٹی کی آرزو نہ کریگا اسی طرح ایک جھونپڑے کے رہنے والیکو ایک سجا سجایا کمرہ کسی عالیشان ایوان کا عنایت کرکے تجربہ کر دیکھیے کہ وہ پھر اپنی جھونپڑی کی خواہش کرتاہے یا نہیں انسانی عادت میں یہ بات داخل ہے کہ معاوضہ ادنیٰ پر ادواس ہوتا ہے معاوضۂ اعلیٰ پر ادواس ہونا تو بجائے خود ہے اعلیٰ درجے کی شکرگزاری ظاہر کرتا ہے۔ امر نہم کے متعلق مصنف صاحب یہ تو خود ہی تسلیم کرتے ہیں کہ مذہب سے تہذیب و تزکیۂ باطن ہوتا ہے تسلی رہتی ہے ایسی حالت میں جائے انصاف ہے کہ جس طریقہ کی پابندی سے تہذیب و تزکیۂ باطن حاصل ہو اور طمانیت رہے اُس سے بہتر دوسرا طریقہ کب ہو سکتا ہے اسی عبارت کے ساتھ یہ خیال بھی ظاہر کیا ہے کہ مذہب سے دماغی ترقی میں خلل پیدا ہوتا ہے پس یہ دعویٰ بھی محض خیالی اور بے دلیل ہے جس طریقہ کے اتباع سے تہذیب

حاصل ہوتی ہوئے خلل دماغ سے منسوب کرنا کسقدر بے وقعت خیال ہے۔ پیشوایان مذاہب گے طریقوں سے اہل عالم کو وہ فیض پہونچا ہے کہ محتاج بیان نہیں ہمکو مفصل وجوہ بیان کرنیکی ضرورت اسوجہ سے نہیں رہی کہ مصنف صاحب مذہبی طریقہ کی اعلیٰ خوبیاں خود تسلیم کر چکے ہیں اب یہ امر ہم مصنف صاحب کے غور پر منحصر کرتے ہیں کہ خلل دماغ کو کسطرف منسوب کرنا چاہیئے امر دہم کے متعلق میں نہایت افسوس کرتا ہوں کیونکہ اس محل پر مصنف صاحب نے مذبذب طور پر اجمالی الفاظ میں خدائے پاک جل وجلالہ کی ذات مقدس کے متعلق ایسی عبارت استعمال کی ہے کہ جس میں بوئے انکار موجود ہے۔ اور امر یازدہم میں اس پاک ذات کے علم و قدرت سے انکار کیا ہے کہ ہمکو یا کسی کو خدا سے نفع و ضرر نہیں پہونچتا میں چاہتا ہوں کہ مصنف صاحب میری کتاب **اثبات حق** کا ملاحظہ فرمائیں تاکہ یہ خلش اُنکی رفع ہو۔ میں اس جواب میں اگر دلائل و براہین تحریر کردوں تو خود یہ جواب ایک کتاب ہو جائیگی۔ اگرچہ مصنف صاحب نے ایک جگہ رحمت کے اثر کو اجمالی الفاظ میں بیان کر کے یہ بھی بیان کیا ہے کہ میں عالم کو مشکل فی الخارج تصور کرتا ہوں ان اشکال کے واسطے اسی طرح کی علت درکار ہے ایسی علت کو میں تعین کرتا ہوں کہ خدا ہے لیکن ایسے خدا کو میں ادراک نہیں کر سکتا۔ میں چاہتا ہوں کہ مصنف صاحب ذرا خیال کو وسعت دیکر غور کریں

کہ ابتدائی ارکان عالم کا یعنی زمان و مکان و مادہ و روح کا جن کی باہمی ترکیب سے سب عالم کی بنیاد پڑی ہے کوئی خالق باعلم و قدرت ہے یا نہیں اگر نہیں تو ان ارکان چہارگانہ جداگانہ کے اتصال امتزاج کی تحریک کہاں سے پیدا ہوئی اور غیر مرتب سادہ مادہ کی ترکیب کیونکر شروع ہوئی۔ اور یہ حدوث و فنا کا سلسلہ کیونکر شروع ہوا۔ کرات و کواکب کی دوری انتظام درحالیکہ رفتار و اجرام میں تفاوت ہے کیوں نہیں درہم برہم ہو جاتی۔ اگر عالم کا منتظم علیم نہیں تو کسطرح عالم کے مناسب وقت ضرورتوں پر مطلع ہوتا ہے۔ اور اگر قادر نہیں ہے تو کسطرح اشیا کو مہیا و منعدم کر دیتا ہے۔ جبکہ یہ حال ہے تو وہ کیا دلیل ہے جس سے ہم سمجھ لیں کہ ہمارے نفع و ضرر کو خدا سے کچھ علاقہ نہیں ناتمام خیال کے سہارے پر خدائے پاک کے علیم و قدیر ہونیسے انکار کرنا کسقدر قابل افسوس ہے وہ پاک خداوند حکیم ہے اپنی مصلحتوں کو خود ہی خوب جانتا ہے۔ کچھ امر کا پابند نہیں کہ ہمارے خیالات کے موافق ظہور افعال کرے اگر نہ کرے تو ہم انکار الوہیت کریں۔ ہم سے کروڑوں کم سمجھ اگر انکار کرینگے تو اس کی مقدس شان میں کب نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ لاکھوں شپر اگر آفتاب عالمتاب کو نہ دیکھ سکیں تو آفتاب کے نور میں کیا کمی کر سکتے ہیں۔ امر دوازدہم **سیزدہم و چہاردہم** کی نسبت میں یہ التماس کرتا ہوں کہ مصنف صاحب نے عام ہدایت کی

تردید میں تو ایسی سرگرمیاں کیں کہ اُسکے واضح اور عمدہ اصول کو بھی باوصف بہتر سمجھنے کے غلط ثابت کرنا چاہا اور خیالی تاویلات پر انتہا سے زیادہ زور دیا اور بعد اس سب کوشش کے جب اپنا خیال اور اپنی راے بیان کرنا شروع کی جو مصنف کا عقیدہ و مذہب ہے تو اُسکے تسلیم کرانے کی بنا محض اپنے قیاس پر قائم کی۔ میں حیران ہوں کہ مصنف صاحب کے ذہن میں اگر اس خیال کی تائید میں دلائل قطعی موجود نہ تھیں تو اسقدر تکلیف کیوں گوارا کی اُنکو یہ خیال کرنا چاہیے تھا کہ جب ایسے مذاہب کی بیخ کنی کا ارادہ کیا جائے جن کی بنا معجزات انبیا اور احکام آسمانی پر قائم ہوئی ہو تو اُس کے واسطے کچھہ تو مستحکم دلائل ہوں وہ اپنے خیال میں علائق انسانی کے متحد ہو جانیکو بہشت اور اُس درجے تک نہ پہونچنے کو دوزخ قرار دیتے ہیں معلوم نہیں علائق انسانی سے اُنکے ذہن میں کیا مراد اور اس دعوے کی تائید میں کیا دلیل ہے وہ درجے بدرجے ترقی کرنے کے مسئلہ کو عجیب عجیب طور سے بیان کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ قوت کے افعال نے جب ایک خاص روحی کیفیت اشیا کی پیدا کردی تو زندگی کی بعض مخصوص صورتیں ظاہر ہوئیں لیکن قیام فقط اُنہیں صورتوں کو ہوا جو اپنے روحی علائق کے مناسب حال تھیں ورنہ لکھوکھا مخلوق جو کامل طور سے متصف نہ تھیں ہلاک ہوگئیں۔ پھر کہتے ہیں کہ ایک صورت سے دوسری صورت فطرتاً اعلیٰ درجہ

کی نہیں ہے مصنف صاحب کو غور کرنا چاہئے کہ ان دونوں دعاوی میں کیا صاف
اختلاف ہے اگر فطرتاً ایک صورت دوسری صورت سے اعلیٰ درجے کی
نہیں تو لازم آیا کہ سب برابر ہوں اور جب سب برابر ہوں تو اُنکے علائق
بھی یکساں ہوں ایسی حالت میں یہ دعویٰ غلط ہوگیا کہ قیام اُن صورتوں
کو ہوتا ہے جو اپنے علائق کے مناسب حال ہوں اور مخلوق ناکامل ہلاک
ہوجاتی ہے - اب میں یہ پوچھتا ہوں کہ اگر بقول مصنف صاحب کے خدا
کوئی نہیں اور قوتیں درجہ بدرجہ ترقی کرکے روحی کیفیات اور مدرک کیفیات
میں ترقی کرتی جاتی ہیں اور کرتی جائینگی تو لازم آیا کہ وہ قوتیں خود ہی اپنے
اپنے افعال کی مختار ہوں ایسی حالت میں پستی کی حالت سے ترقی کرتے
جانا اور ایک دراز زمانہ کے بعد مراد کو پہونچنا اور پھر بھی اُسپر قائم نہ رہکر اور
زیادہ ترقی کرنا کس ضرورت سے ہے کیوں اول ہی ارادے میں اعلیٰ
درجے کی ترقی پر نہیں پہونچتیں وہ کہتے ہیں کہ ایک وقت توالد و تناسل کا
قاعدہ اُٹھ جائیگا - ذہنیات میں ترقی ہوتی رہیگی یہ محض اُنکا خیالی دعویٰ ہے
جس کی کوئی دلیل نہیں وہ کہتے ہیں کہ ایک حالت پر ہم موت سے متضرر نہ
ہو سکینگے پس اگر بقول مصنف صاحب ہم سب خود مختار ہیں کسی غیبی قوت باعلم
و قدرت سے ہمکو غرض نہیں تو ہم موت کی تکلیف کو آج ہی کیوں نہیں اُٹھا
دیتے وہ کہتے ہیں کہ دنیا کا انجام حرکت ہے سکون نہیں ہے اس

اس دعوے کے وجوہ مصنف صاحب کے ذہن میں کچھ ہونگے ورنہ ہر
کوئی جانتا ہے کہ ہر ایک حادث شے کا آغاز حرکت پر اور انجام سکون پر
ہوتا ہے وہ کہتے ہیں کہ ہمکو تغیرات سے کوئی تکلیف نہو گی - ہماری ساخت
ضرورت کے مطابق موزوں ہوتی جائیگی ابدتک برابر کیفیتیں بدلتی رہیں گی پس
اگر اُنکے خیال میں خدا کوئی نہیں ہر ایک قوت خود مختار ہے تو پھر تغیر کیوں
ہونا چاہیئے اور جب کہ تغیر کو تسلیم کیا تو اُنکو ناگزیر ماننا پڑے گا کہ کسی کے
ارادے سے تغیر ہوا - پس فرمائیے وہ کون ہے - وہ کہتے ہیں کہ ہم پر
علم عیش کی نئی نئی باتیں منکشف ہوتی رہیں گی اس دعوے کے متعلق بھی کوئی
دلیل نہیں فرمائی مگر ہمکو کب استحقاق ہے کہ ہماری حالتیں بدلنے سے عیش
ہی حاصل ہو رنج یا غم حاصل نہو - جب کہ کوئی استحقاق ہمارا نہیں ہے
تو لازم آیا کہ کسی کو تغیر حالت سے عیش اور کسی کو تغیر حالت سے
رنج حاصل ہوگا اور اسی بنا پر وہی اہل مذہب کا خیال درست
قرار پاتا ہے کہ انسان کو بعد مرگ اُسکے افعال کا بدلا مناسب
اُسکے افعال کے خالق کی پیشگاہ سے ملیگا اور اُس خالق کی یہ بھی شان
ہے کہ اگر چاہے تو اعمال بد کی سزا معاف بھی کر دے - میرے خیال
میں مصنف صاحب کو اپنے فرضی خیالات سے دہوکے میں پڑنا نہ چاہیئے
اور اُس خالق عالم سے خوف کر کے اُس کی رحمت کی آرزو کرنا چاہیئے

ب جسکے قبضۂ قدرت میں سب کچھ ہے وہی خالق الاشیاء ہے وہی منتظم
عالم ہے وہی ازلی ابدی شہنشاہ ہے ہمکو ہر ایک حال میں اسی سے نفع اور
ضرر پہونچتا ہے وہ علیم و قدیر اور ہمارا ہر ایک حال میں مددگار ہے۔

تیز کمٹھا اور خوشس مزہ کرنیکو نمک مرچ اور کباب کرنیکو آگ اور آگ پیدا
کرنیکے سامان ہیں وہ اگرچہ اپنے گھروں کی عمارتیں نہیں بناتے تاہم اپنے
گھروں کے محدود کرنیکو خاص علامتیں قائم کرتے ہیں جنگلی اور وحشی سبھی
مگر خاص خاص زبانیں رکھتے ہیں اتفاق اور نفاق کے نفع وضرر کو بھی سمجھتے
ہیں - اب فرض کرو عمدہ سے عمدہ حیوان حقیقتاً کیسی پست حالت میں ہیں
ضرور ہے کہ میں مثال میں دو چار قسم کا ذکر کروں سب سے اول شیر پر
نظر کرو بظاہر شیر ایک شجاع اور خوبصورت جانور ہے لیکن دیکھو اُسکے
جسم سے کیسی بدبو آتی ہے - اُسکے رہنے کی جگہ کیسی ہولناک اور ویران
ہوتی ہے اُسکو ہر دم اپنی جان کا کھٹکا لگا رہتا ہے وہ کبھی خوف جان کے
سبب آبادی کے پاس نہیں آتا - شاید اس محل پر کوئی یہ کہے کہ شیر کو
جان کا خوف نہیں ہوتا کیونکہ وہ شجاع جانور ہے تو یہ خیال غلط ہے تجربہ شاہد
ہے یعنی شیر اظہار شجاعت عادتاً اُسیوقت کرتا ہے کہ دھمکایا جاوے
یا زخمی ہوجائے ایسی حالت میں اُسکا جوش انتقامی فطرتاً قابل ضبط نہیں
ہوتا ورنہ معمولی حالتوں میں وہ ہمیشہ جان کے ڈر سے بے فکر نہیں ہوتا
دیکھو اُسکی غذا کیسی غیر معین اور کس درجے قابل نفرت ہے - یعنی جب
بھوک غلبہ کرتی ہے تب مجبوراً تلاش شکار کرتا ہے - تلاش و تجسس کے
بعد جب شکار ملتا ہے تو بدون صاف کرنے رطوبات و آلائش کے چباجاتا ہے

موسموں کی تکلیفات ویران جنگلوں میں اُٹھاتا ہے اُسکے تمام زمانہ زندگی میں
اُسکے جشن و نشاط کی انتہا صرف یہی ہے کہ شدت اشتہا کے وقت شکار
ملجائے اور وہ چبا جاوے۔ اب میں دریافت کرتا ہوں کہ کوئی شخص ایسی
حالت کے تصور کرنے کے بعد کیا آرزو کرسکتا ہے کہ اُس کی حالت شیر کی
حالت سے بدلجاوے۔ ہرنوں کی تو اور بھی بدتر حالت ہے جو محتاج بیان
نہیں۔ پرندوں میں طاؤس نہایت خوبصورت جانور ہے کہ اُسکی
خوبصورتی سے عمدہ صورتوں کی تشبیہ دیجایا کرتی ہے بس طاؤس کی سب
حالتوں کی تشریح کرنا پسند نہیں کرتا صرف اتنا کہتا ہوں کہ وہ کیڑے کھاتا ہے
حتّٰی کہ سانپ کو بھی کھا لیتا ہے اب اندازہ کرو کہ سانپ کس درجہ قابل
نفرت شے ہے باقی حالتیں طاؤس کی زندگی کی ویسی ہی غیر محفوظ ہیں جیسی
اور پرندوں کی۔ میں گمان کرتا ہوں کہ سامعین کو بار بار یہی خیال گزرتا ہوگا کہ
جو شے ہمارے نزدیک قابل نفرت ہے وہ اُسکے نزدیک جس کی وہ غذا ہے
قابل نفرت نہیں تو میں پھر کہتا ہوں کہ یہ انتظام قدرت ہے کہ ہر ذی حیات
کو اپنی غذا اور اپنی حالت بُری نہیں معلوم ہوتی اور جیسی حالت جسکو نصیب
ہوتی ہے ویسی ہی عادت ہوجاتی ہے اگر ایسا نہو تو ذی روح خراب حالتوں
میں زندہ نہ رہ سکیں لیکن خداوند نے عقلا کو عقل اسی واسطے عنایت فرمائی
ہے کہ اچھی اور بُری حالتوں میں امتیاز کریں۔ یہ ظاہر ہے کہ اس طبقۂ زمین پر

ہمارے نوع انسان ہیں افریقہ کے باشندے اپنے ملک اپنی سرزمین اپنی حالتوں کو عادتاً پسند کرتے ہیں مگر کیا اُنکے عادتاً پسند کرنیکی وجہ سے کوئی شخص خطّہ کشمیر اور بیابان افریقہ کو ایک درجے میں شمار کرسکے گا اگر نہیں تو کیا ہم انسانوں کا فرض نہیں ہے کہ ہم ان امور پر نظر کرکے اپنی حالتونکی قدر کریں اور جس معطی نے ایسا شرف و امتیاز ہمکو بخشا ہے اُسکا احسان مانکر اُن فرائض کے ادا کرنے میں کوشش کریں جو انسانی ہستی کے سزاوار ہیں۔

نمبر (۱۲)

پیمانۂ سعی
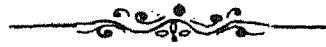
احباب سے میری التجا ہے
کچھہ کرلو کہ عمر بیوفا ہے

اصحاب سے عرض مدعا ہے
ہمت کا حمایتی خدا ہے

یاں آئے ہو کچھہ تو کرکے بیٹھو
مت ہاتھہ پہ ہاتھہ دھرکے بیٹھو

جو دن گزرا پھر آئے گا کیا
گم گشتہ کو کوئی پائے گا کیا

اس عمر سے گھٹ نہ جائیگا کیا
رفتہ کا پتا لگائے گا کیا

پھر کسلئے وقت ٹالتے ہو
کام آج کا کل پہ ٹالتے ہو

باندھو کمر خدا کا لو نام
اچھا نہیں کاہلوں کا انجام

ہمت سے ہوئے ہیں سہل سب کام
محنت جو کرے وہ پائے آرام

محنت ہے کلید گنج مقصود

محنت ہے دلیل راہ بہبود

دنیا میں ہو شاہ یا کہ درویش
مقدار میں گرچہ ہوں کم و بیش

انساں کو ہیں دو ضرورتیں پیش
ہر ایک کو بقدر طاقت خویش

اول یہ کہ زندگی میں سکھ پائیں
دویم یہ کہ مرنے پہ نہ دکھ پائیں

گر چاہو یہ آرزو بر آئے
مقصود کا غنچہ مسکرائے

گلزار امل بہار لائے
نخل امید لہلہائے

محنت کرو راستباز ہو کر
محمود بنو ایاز ہو کر

وہ عزم وہ ہمتیں دکھاؤ
وہ صدق و صداقتیں دکھاؤ

وہ جوش وہ محنتیں دکھاؤ
مرغوب وہ عادتیں دکھاؤ

مخلوق ہو خوش خدا رضامند
وہ تم سے تم اُس سے شاد و خرسند

اوروں کے پسینے کی کمائی
محنت سے کرو تو ہاتا پائی

چھونا ہے خلاف میرزائی
دیکھو الطاف کبریائی

پاتے ہیں جو ڈھونڈھتے ہیں جم کر
ناکام ہیں تھک رہے جو تھم کر

جائز ہے کرو تماشہ راہیں
مشکل سے ڈرو نہ کرکے آہیں

دوڑاؤ اسی طرف نگاہیں
اس بحر کی لِ رہینگی تہائیں

آ رہے گا دُرِ مراد کف میں
پھر رہنے نہ پائیگا صدف میں

سب کچھ تو ملے ہیں ہمکو ساماں
اللہ کے لطف و فضل یزداں

پھر کچھ نہ کریں تو ہم ہیں ناداں
شفقت سے بنا کے ہمکو انساں

انعام کے گنج پر بٹھایا
پھر ہمنے اُسے سمجھ نہ پایا

وہی ہمکو زمیں کہ اُسپہ بس جائیں
غلے کریں کاشت فصلیں کٹوائیں

وسعت یہ کہ برسوں سیر کر آئیں
باغیچہ لگائیں سڑکیں بنوائیں

اور اُسپہ پہاڑ چرخ فرسا
ہیں جن کی فضائیں روح افزا

جنگل سرسبز میل ہا میل
کیا ہو سکے مجھسے شرح و تاویل

اشجار کی کیا شمار و تفصیل
زیبا ہے یہاں بیانِ جبرئیل

اثمار لذیذ روح پرور
بے غایت و انتہا میسر

پانی بخشا سمندروں بھر
حد جس کی نہ پا سکے شناور

ہے قدرت کبریائے اکبر — چلتے ہیں جہاز لاکھوں اُس پر

برتیں پئیں دہوئیں اور نہائیں
زنہار اُسے گھٹا نہ پائیں

کی خلق ہوا کہ سانس لیں ہم — آزادی سے خوش چلیں پہریں ہم
ہو گرمی تو پنکہیا جہلیں ہم — آرام سے عیش سے پلیں ہم

میٹھی نیندیں ہمیں سلا جائے
باغوں میں ہمارے گل کہلا جائے

دی آگ ہمیں کہ کام میں لائیں — غلے بہنوائیں کہانے پکوائیں
تاپیں سلگائیں شمعیں جلوائیں — بندوقیں چہوڑائیں توپیں دغوائیں

دل کو طرب و سرور بخشے
ایوانوں میں شب کو نور بخشے

شمس و قمر ابر و برق و باران — پُر نور کواکب درخشان
سیم و زر و دُر و لعل و مرجان — الماس و عقیق زینت جان

ہوش و خرد و حواس و ادراک
روح و جسد تعلق پاک

سب کر کے مرتب و مہیّا — ہم سب کو یہ اختیار بخشا
جس چیز کی جسکو ہو تمنا — پہر چل کے اُٹھائے لطف اُسکا

اب چاہیں ہم اُسکے فائدے پائیں
چاہیں بیکار جی کے مر جائیں

دنیا میں ہوئے ہیں جتنے کامل — کوئی بھی نہیں تھا اُن میں کاہل
دم بھر بھی نہیں رہے وہ غافل — محنت سے ہوا ہے سب کو حاصل

جھیلے کڑے وقت انبیا نے
تکلیفیں اُٹھائیں اولیا نے

اللہ رے شیون پاک قدرت — ہر شے سے عیاں ہے اُسکی حالت
جو جانتے ہیں نکات حکمت — ہر چیز سے پاتے ہیں نصیحت

سامع ہو تو ہر طرف صدا ہے
بینا کو نظارہ جا بجا ہے

باغ و چمن و بلاد و قصبات کا — نہر و پل و حوض آب چاہات
آثار قدیم اور عمارات کا — کہتے ہیں زبان حال سے بات

یہ اہل ہمم کی ہے نشانی
زندہ ہے ہنوز نام بانی

ہر سلطنت اور ہر اک ریاست — ہر موقع اہل جاہ و ثروت
سیّاحوں کو کرتی ہے ہدایت — مورث کے لئے برائے عظمت

پہچانتے ہیں ہم بہادری کے

علم و ہنر و دلاوری کے

جیسے جس کیش میں ہیں احکام — ہوں جیسے نتائج اُن کے انجام
منسوب ہیں پیشوا سے وہ کام — ممدوح اُسی قدر ہے وہ نام

حامد ہوں میں اپنے پیشوا کا
اور دل سے ہوں مدح خواں خدا کا

ہر چیز میں صنعتِ خدا ہے — ہر سمت کو ذکرِ کبریا ہے
معبود کا وصف جا بجا ہے — لہجہ سب کا جُدا جُدا ہے

لازم ہے سخن شناس ہونا
درکار ہے خوش قیاس ہونا

گلزار میں لطفِ انجمن ہے — نسرین ہم بزم نسترن ہے
بول اُٹھنے کو ہر کلی دہن ہے — سوسن کی زباں پہ یہ سخن ہے

اے حیرتیانِ بزم ہستی
لازم ہے ہمیں خدا پرستی

ہر برگ شجر زبان بن کر — ہر سرو سہی خوشی سے تن کر
کرتے ہیں ثنائے ربِ اکبر — گاتے ربِ جلیل پاک داور

تو نے ہمیں تخم سے بڑھایا
سرسبز بنا کے لہلہایا

ہم کیا ہیں ہماری اصل کیا ہے ہستی کی دو روزہ فصل کیا ہے
اندازۂ ہجر و وصل کیا ہے مٹنے والوں کی نسل کیا ہے

تو رکھے تو مدتوں رہیں ہم
ورنہ اک آن میں مٹیں ہم

موّاج ہے بحر لطف تیرا ہر شاخ و ثمر ہر ایک پتا
ہے زلزلہ ربا ترے کرم کا الطاف ہیں تیرے عام کیا کیا

اوراق ہیں گل کے رنگ بخشا
غنچوں کو دہان تنگ بخشا

ہم اور ہماری نسل والے تونے ہی کرم سے اپنے پالے
اُفتادوں کو خاک سے اُٹھا لے او سینے کی بات سننے والے

تجھ بن نہیں ماسوا سے مطلب
ہم بندوں کو ہے خدا سے مطلب

ہم کیوں ہوں حزیں ملول کیوں ہوں در در کے گدا فضول کیوں ہوں
صرف الم و خمول کیوں ہوں جیتے ہوئے خاک دھول کیوں ہوں

افسردہ نہیں خدا ہمارا
تارک نہیں کبریا ہمارا

جو منع کیا وہ چھوڑ دیں کام جائز کریں عیش جائز آرام

نمبر (۱۱)
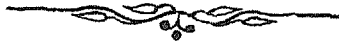
پیکر انسانی

اے خلعت پوشان پیکر انسانی ذرا اپنی موجودہ حالت پر نظر کرو ہمنے عطیات الٰہی کی کیسی بیقدری کی جنس حیوانات میں نوع انسان کو کس درجہ امتیاز و شرف حاصل ہے حالانکہ باعتبار مخلوق ہونے کے ہم کوئی تفوق کا حق کسی ادنیٰ نوع خلقت پر نہیں رکھتے۔ ہمارے شفیق خداوند نے ہمکو محض خداوندانہ نگاہ کرم سے دیکھا اُسی ابر کرم کی بے سبب نوازی ہے کہ ذرہ ہیچ ہمسری خورشید کر رہا ہے اگر اجازت ہو تو میں اس بیان کے متعلق چند الفاظ ادا کروں بعضے انسان اپنی گرانمایہ ہستی کی غیر متناہی لغماکو با وصف بینا ہونے کے نہیں دیکھتے یا یوں کہو کہ وہ دیکھنے کا ارادہ کریں تو دیکھ سکتے ہیں۔ مگر ارادہ نہیں کرتے توجہ کیجئے۔ کائنات میں ہم تین قسم کی مخلوق پاتے ہیں۔ جمادات نباتات حیوانات۔ شرف اور عمدگی کے اعتبار سے جمادات کا مرتبہ سب مخلوق میں ادنیٰ حالت میں ہے کیونکہ جمادات کو نہ ادراک حاصل ہے نہ پر جوش نضارت و بالیدگی۔ اگرچہ جمادات کی بالیدگی سے انکار کرنا

درست نہیں خیال کیا جاسکتا کیونکہ اگر جمادات میں بالیدگی نہو تو جمادی اشیا
کی مقداروں میں کمی بیشی نہو حالانکہ ہم کمی بیشی پاتے ہیں لیکن غیر محسوس بالیدگی
ہماری اس گفتگو کی استدلال کے لائق نہیں نباتات کو درجہ اوسط کا نصیب
ہے کیونکہ اُس میں اگرچہ قوت ادراک نہیں تاہم نمو و لطافت موجود ہے مگر اُس کا
پایہ اُس شرف کے حصول تک نہیں پہونچا جو شرف حیوانات کو حاصل
ہے کیا معنی حیوانات حساس اور متحرک بالارادہ ہیں اور جمادات و نباتات پر
حاکم اور اُنپر متصرف ہیں کیسا ہی کم پایہ حیوان یا یوں کہو کوئی کتنی ہی چھوٹی جیتی
جان ہو وہ اپنی ضروریات میں جمادات و نباتات پر حاکمانہ فعل کرتی ہے ۔
غرض یہ امر مسلم ہے کہ قدرت نے جمادات و نباتات پر حیوانات کو شرف
و حکومت عطا کی ہے اب حیوانات میں امتیاز کرو بہ اعتبار حصول شرف کے
کسقدر درجہ بدرجہ کمی بیشی ہے ۔ اور پھر اس نوع حیوانی پر نظر کرکے اُس
شرف عالی مرتبہ پر غور کرو جو انسان کو عنایت ہوا ہے گویا انسانی ہستی باعتبار
ہر قسم کے اعلیٰ مدارج کے دُرّۃ التاج کائنات ہے لیکن بہت سے افراد
اُن غیر متناہی نعمائے الٰہی کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتے جو اُنکو حاصل
ہیں **حضرات** قدرت کے اشفاق پر نظر کرکے ہوا کے پرندوں کو دیکھو باعتبار
مخلوق ہونے کے وہ کیا حق نہیں رکھتے ۔ لیکن کس عاجزانہ حالت میں ہر صبح
کو اپنی روزی کی تلاش میں سرگرداں پھرتے ہیں ۔ جسنے جو پایا کھا لیا

ہم نہیں دیکھتے کسی پرند کو ایک نمک کا ریزہ بہی) اُسکے ناشتے کے تکمین کرنیکو
ملتا ہو وہ باغوں کے درختوں پر سے اُڑا دئے جاتے ہیں بیدردی سے شکار
کئے جاتے ہیں کوئی اُنکے ہمجنسوں میں خون کا معاوضہ طلب کرنے بہی
تم تک نہیں آتا تم اُڑتی ہوئی قطاروں میں سے اُنکے ساتہیوں کو مارتے
ہو وہ مظلوموں کی طرح صبر کرکے چلے جاتے ہیں اِس غیر محفوظ حالت میں
وہ زندگی گزارتے ہیں شام کو جس شاخ پر جگہ ملی متوکّلانہ مبٹیہ رہے جنگل کی
وحشیوں پر نظر ڈال بہ نسبت انسان وہ کس درجہ پست حالت میں ہیں۔ گرم
موسم میں گرم ہواؤں کی لپٹیں فصل زمستاں میں کنپ کنپا دینے والی سرد
ہواؤں کے جہونکے برسات کی موسلا دہار بارشیں اُنکے کہلے جسموں پر پڑتی
ہیں اُنکو کوئی ایسا چھپر بہی بنانا نہیں آتا جس میں نہایت کم درجے آدمی بہی رہنے
کو عار سمجہتا ہو اُنکو جوار کی روٹی اور چنے کا ساگ بہی میسّر نہیں وہ اپنے دل
کے دُکھ درد کا حال خراب تلفظ میں بہی ادا نہیں کرسکتے اُنکے مرض کی حالتوں
میں نہ کوئی نبض دیکھتا ہے نہ جوشاندہ پکاتا ہے اُنکی نشتیں گذریں ہولناک راتوں
میں ٹمٹماتا ہوا چراغ نصیب نہوا وہ جانتے ہی نہیں دنیا میں بیاہ۔ سگائی کی
تقریبات میں بڑے بڑے سامان کیونکر اور کہانے ہوتے ہیں عمر بہر نہ
پانوںکو جوتا نصیب نہ سر کو دستار وہ اپنے بچھڑے ہوئے دوستوں
کو نامہ وپیام سے اپنی یاد نہیں دلا سکتے۔ حشرات الارض کی حالت اُنسے

رہی ہے اُنکو صاف ہوا اور کھلا ہوا میدان بھی آزادانہ پھرنے چلنے کو
نصیب نہیں اپنے تنگ اور تاریک سوراخوں سے ڈرتے ڈرتے ضرورتاً
باہر نکلتے ہیں ذرا سے کھٹکے پر پھر جا چھپتے ہیں اُن میں ایسے بھی بہت ہیں جو
حیوانات کے پاؤں تلے دب کر مر جاتے ہیں۔ اور کسی کو پروا نہیں ہوتی۔
اُنکی زندگی کے دن نہایت کم اور اُنکی حالت بالکل غیر محفوظ ہے۔ میرے
اس بیان پر شاید کوئی صاحب یہ فرماسکینگے کہ وہ اپنی حالتوں میں
خوش اور مسرور پائے جاتے ہیں تو میں کہہ سکتا ہوں کہ یہ انتظام قدرت
ہے کہ جنکو جیسی حالت عنایت کی ویسی ہی طبیعت اور عادت دی اگر خالق الاشیا
ایسا نہ کرتا تو اسکی حکمت بالغہ کا اظہار کیونکر ہوتا مگر انصاف بالائے طاعت
ہے اُنکی اور اپنی حقیقی حالتونکا موازنہ کرکے اُن نعما کا مقابلہ کرو جو اُن کو اور
تمکو عنایت ہوئے ہیں انسانوں میں ذلیل سے ذلیل قوم اور پست سے
پست قوم کا آدمی بھی جس کی حالت کی پستی کو سب بالاتفاق تسلیم کرتے
ہوں حیوانونکی حالت سے کہیں بہتر حالت میں ہوگا فرض کرو جو پست حالت
کی قومیں ہیں اُنکی خوراک موٹا غلہ اور ساگ پات اور دالیں ہیں۔ اُن کی
پوشش بھی تنگی کے ساتھ کم قیمت کپڑے کی ہوتی ہے۔ اُنسے بھی
گئی گذری پست حالت کے لوگ وہ وحشی قومیں ہیں جو جنگلی جزیروں میں برہنہ
حیوانات کے بسر اوقات کرتے ہیں لیکن اُنکے پاس بھی شکار مارنے کو

مرضی پہ خدا کی باندھیں احرام — رٹتے پھریں رب پاک کا نام

کاموں میں نہ بھولیں ذکر دادار
دل رکھیں بیار دست در کار

اے ارض کے اور سما کے خالق — خاک و باد و ہوا کے خالق
لیل و صبح و مسا کے خالق — خود چھوڑ کے ماسوا کے خالق

جو تیرے سوا ہیں سب ہیں فانی
ہے تیری ہی ذات جاودانی

دے اپنے کرم سے تو مجھے تمام — وا کر کہیں باب گنج انعام
جز تیرے مجھے کسی سے کیا کام — اے خالق ذو الجلال و اکرام

جو یا ہوں میں فیض سرمدی کا
تو ہی ہے کفیل احمدی کا

نمبر (۱۳)

موجودہ حالت

حضرات میں آج آپ صاحبوں کو ایک ایسے امر کی طرف توجہ
دلاتا ہوں جو میرے خیال میں ضروری ہے یعنی موجودہ حالت پر آئیوالی
حالتوں کا قیاس کرنا نفس انسانی کی ایک بڑی غلطی ہے یہی غلطی انسانوں کو
اوج ترقی سے حضیض تنزل پر پھینک دیتی ہے اور یہی غلطی پستی کی حالت
سے رفعت ترقی پر پہونچنے کی سد راہ ہوتی ہے۔ ضرور ہے کہ میں اپنے
بیان میں کسیقدر صراحت کروں اور نفس مطلب بیان کرنے سے پیشتر نفس
انسانی کی خاص عادات کا ذکر کروں۔ تجربہ سے ثابت ہوا کہ نفس ناطقہ
یا یوں کہو عام نفس حیوان اگرچہ اپنی ماہیت میں خالق الاشیا کی
جانب سے کچھ ہو لیکن وہ ہمیشہ حالتوں کا پابند و متبع رہتا ہے اس کی بعض
حالتیں فطرتاً مستحکم ہوتی ہیں قابل تغیر و قابل اصلاح نہیں ہوتی مثلاً
کسیکو ابتدائی حالت پیدایش میں جیسا دماغ یا جسطرح کا جسم یا جس قسم
کے عضا ملے نفس انسانی اُسی حالت کا پابند ہو گیا اگر دماغ کے بطون تنگ

اور سر چھوٹا ملا نفس کے ادراک کی تیزی میں کمی واقع ہوئی اگر بطون دماغ
کے کشادہ اور سر بڑا عنایت ہوا تیزی ادراک مناسب ترکیب بڑھ گئی۔ اور
بعض حالتیں عارضی ہوتی ہیں جن میں تغیر و اصلاح کو دخل ہوتا ہے مثلاً جب
کبھی مرض کے عارض ہوجانے سے جسم نقیہہ اور ضعیف ہوجاتا ہے افعال نفس
بھی کمزور ہوجاتے ہیں جب علاج یا کسی مقوی غذا کے استعمال یا ریاضت
بدنی سے جسمانی قوت بڑھجاتی ہے۔ افعال نفسانی پر قوت ہوجاتے ہیں
جب کسی مجلس وعظ میں داخل ہوتا ہے افعال نفس میں مذہبی اثر پایا جاتا ہے
جب کسی ظرافت کے مجمع میں شریک ہوتا ہے تو کسیقدر اُسطرف لگاؤ
ہوتا ہے۔ اسی طرح ماتمی مجالس میں غمگیں اور شادی کی محفلوں میں
خوش ہونا ایک بدیہی بات ہے۔ اگرچہ یہ اعتراض پیدا ہو کہ جب یہ امر بطور
کلیہ کے تسلیم ہوا اور افعال نفس پر حالتوںکا ایسا وقت بوقت اثر ہوا تو کوئی طبیعت
قابل اعتبار نہ رہیگی کسی شخص کو صفات خاص کے ساتھ تعبیر نہ کرسکینگے
شجاع یا جبان کسی کو نہ کہہ سکیں گے۔ عام اعتبارات معطل ہوکر انتظام
تمدن میں بڑا فرق پڑیگا یا یہ کہ بسا اوقات ہم شادی کی مجلسوں میں شریک
ہوکر بھی جب کہ ہمکو کوئی فکر ایذا رساں عارض ہو متردد و متفکر ہی رہتے
ہیں قس علی ہذا کوئی ماتم کی مجلس جب کہ ہمکو کوئی اعلیٰ ترقی کی اطلاع پہونچے
ہمارے خیال کو اُس خوشی کی اطلاع کے فائدہ پانے سے باز نہیں رکھ

سکتی تو ایسے اعتراضات کا یہ جواب ہو سکتا ہے کہ حالتیں مختلف ہیں
بعض حالتیں قوی اور بعض ضعیف ہوتی ہیں اور ہر ایک حالت کا فعل بقدر
اپنی قوت و ضعف کے ہے جو حالت قوی ہوتی ہے وہ ضعیف حالت پر ہمیشہ
غالب آجاتی ہے اس محل پر یہ امر بھی قابل بیان ہے کہ نفس انسانی کی عادت
میں داخل ہے کہ ہر ایک حالت جدید کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے بعد متوجہ
ہو جانے کے اگر وہ حالت جو پہلے سے نفس کو عارض تھی اور جس کا
وہ تبیع تھا غالب ہوتی ہے تو حالت جدید کی طرف سے باز رکھکر پھر اپنی طرف
مائل کر لیتی ہے اور اگر حالت سابقہ سے حالت جدید قوی ہوتی ہے تو
اُسوقت تک جب تک کہ کوئی دوسری حالت قوی نہ پیدا ہو یا حالت جدید
میں ضعف نہ آجائے نفس کو اپنی طرف متوجہ رکھتی ہے دیکھو جب تک حالت
طفلی انسان کو عارض رہتی ہے تب تک طفلانہ حرکات کرتا ہے جب جوانی
کی حالت غالب ہوتی ہے تب طفلانہ حرکات قائم نہیں رہتیں بلکہ جوانی کی اُمنگیں
شباب کے جوش پیدا ہوتے جاتے ہیں۔ جب بڑھاپا شروع ہوتا ہے
جوانی کی اُمنگ کا کہیں پتہ بھی نہیں ملتا۔ وہی نفس انسانی جو بڑے بڑے
ارادے کرتا تھا اور جس کی اُمنگیں اُسکو عشق و عاشقی کے خیالات کی
طرف مائل رکھتی تھیں اب وہی آرام سے بیٹھے رہنے کو غنیمت سمجھتا ہے اُسی
کو وہ ذکر بُرے معلوم ہوتے ہیں جن ذکر دنکا سب سے بڑھکر خود شائق

بتادہ نوجوانونکو منع کرتا ہے کہ سرور وانبساط کی مجلسوں میں شریک ہونے
سے کچھہ فائدہ نہیں حالانکہ بڑہاپے کی حالت کے بعد اگر قدرت پہر جوانی
یا جوش اُسکو بخشدیتی تو ظن غالب ہے کہ وہی نافرالعیش جو دوسروں
کو منع کرتا تھا خود ایسے جلسوں میں شریک ہونے اور پرجوش
کاموں کے پورا کرنے میں اظہار حوصلہ کرتا نشہ کی اشیا استعمال کرنے
والونکی حالتیں بتارہی ہیں کہ نشہ کی حالت میں اہل تہذیب سے بہی وہ
حرکات ظاہر ہوتی ہیں جو اُنکی شان کے مناسب نہیں ہوتیں علی ہذالقیاس
مرض کی حالتوں میں قوی آدمی بہی ایسے افسردہ اور پریشان ہوتے
ہیں جیسے سب مریض آدمی گو اُنکی حالتیں باہم کسیقدر متفاوت ہوں۔ اس
سب بیان سے یہ امر واضح ہوچکا کہ عارضی حالتیں افعال نفس اور خیالات میں
تغیر پیدا کردیتی ہیں اور قوی حالتیں ضعیف حالتوں پر غالب آجاتی ہیں لیکن
جس غرض سے مینے یہ تقریر شروع کی ہے اُسکو بیان کرنے سے پیشتر یہ امر بہی
بیان کردینے کے لائق ہے کہ یہ حالتونکا تغیر سوائے افعال نفس وخیالات
نفس کے ذات نفس میں کوئی تغیر پیدا نہیں کرسکتا بلکہ نفس انسانی صرف
اُس عادت کی وجہ سے جو اُسکو منجانب خالق عطا ہوئی ہے حالتونکا تبّع
ہے مثلاً نفس انسانی کو جب حالت طفلی عارض ہوتی ہے تو اگرچہ اُس حالت
میں جسم انسانی اور ترکیب انسانی کی حالت ابتدائی ہوتی ہے لیکن اُس

حالت میں بھی ذات نفس کی نسبت یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ بھی ابتدائی حالت میں ہے وجہ اس کی یہ کہ نفس کو ذاتی ادراک اسوقت بھی حاصل ہوتا ہے لیکن دو سبب اسکے ظہور ادراک کے مانع ہوتے ہیں اولاً کم قوت ہونا واقع کا۔ دوم جہل اُن اشیاء کا جنسے اب اسکو تعلق شروع ہوا ہے اور جنکے اصطلاحی نام ابتک اسکو تعلیم نہیں ہوئے۔ جوں جوں واقعی قوت کام دینے کے لایق ہوتی جاتی ہے اور اسماے اشیاپر علم ہوتا جاتا ہے اسیقدر نفس انسانی اُن حالتوں سے متمتع ہوتا جاتا ہے قدرت نے ابتدائی خلقت نفس سے اپنی مصلحت کے مطابق جو قوت ادراک نفس انسانی کو ذاتی طور پر مرحمت فرمائی ہے وہ اسکو حاصل ہے۔ بعد میں عارضی حالتیں اسکی قوت ادراک پر جسقدر پردہ ڈال دیتی ہیں اسی قدر اسکے ادراک کا ظہور کم ہوجاتا ہے مگر عارضی طور پر ظہور ادراک کم ہوجانے سے یہ تسلیم نہیں کیا جاسکتا کہ ذات مدرک میں نقصان آیا ہو مثلاً کسی شخص کی آنکھہ کی بصارت نزول الما کی وجہ سے جاتی رہے تو اگرچہ بصارت جاتی رہنے کی وجہ سے رواجاً آنکھہ والے اسکو اندھا کہنے لگیں مگر ایسا کہنا حقیقتاً درست نہوگا کیونکہ دستکاری سے جب پردۂ چشم سے پانی نکال دیا جاویگا پھر سب کچھہ نظر آنے لگیگا پس ثابت ہوگیا کہ پردۂ چشم میں پانی آجانیسے نفس انسانی کے ظہور ادراک کا رستہ بند ہوگیا تھا اُس رستہ کے

بند ہو جانے سے نفس انسانی اُس حالت کا بسبب عادت متبع ہو گیا
ٹٹول کر یا دوسرو نکے سہارے سے چلنے لگا جب وہ آڑ سامنے
سے ہٹ گئی پھر بدستور چلنے لگا اب میں ضروری تمہید بیان کرنیکے
بعد اصل مطلب پر عود کرتا ہوں اور پھر اُسی ابتدائی فقرہ کو عرض کرتا ہوں یعنی
یہ کہ موجودہ حالت پر آنیوالی حالتونکا قیاس کرنا نفس انسانی کی ایک بڑی
غلطی ہے جو قوم یا جو شخص ایسی غلطی میں پڑتا ہے اُسکو سمجھنا چاہیئے کہ وہ ادبار
و تنزل کے نشیب کی طرف بپائے خود جاتا ہے اگرچہ اس غلطی میں مبتلا
ہو جانے کی راہیں بہت سی ہیں لیکن میں اس محل پر مثال کے طور پر
ایک دو امر کا بیان کرتا ہوں ایک یہ کہ کسی قوم یا کسی شخص نے عمدہ محنتیں
اور کوششیں کر کے کوئی علم یا کوئی فن یا کوئی منصب یا حکومت حاصل
کی اور حاصل ہو جانے کے بعد یہ خیال کیا کہ اب یہ کامیابی حاصلہ
ہم سے کبھی زائل نہو گی اور ایسے خیال کرنے کے بعد جو لازمی
کوشش اُس کامیابی کی بقا اور درستی کے واسطے کرنا چاہیئے تھی وہ
ترک کردی تو کوئی شک نہیں کہ ایسے خیال کے ساتھ ہی اُس کامیابی
کے اجزا متفرق ہونے لگتے ہیں۔ زمانہ کی تاریخ میں ہزاروں نظیریں اس
بیان کی تائید میں موجود ہیں۔ ہزاروں سلطنتیں بنی اور بگڑی ہیں۔ لاکھوں
خاندان نامور ہو ہو کر گمنام ہو گئے۔ جو قوم یا جو خاندان یا جو شخص حصول

کامیابی کے بعد اُس کی بقا اور درستی کی تدابیر عین وقت پر کرتا رہے گا خدا کے فضل سے کامیاب رہے گا۔ بدون تدابیر بقا و درستی کے کوئی منصب کوئی علم کوئی فن کوئی ملکہ کوئی عمدہ عادت قائم نہیں رہ سکتی کیونکہ نفس انسانی حالتوں کا متبع ہی جب غفلت اختیار کی جاویگی تو نفس انسانی حالت غفلت کا متبع ہوجاویگا۔ دوسرے یہ کہ کوئی قوم یا کوئی خاندان یا کوئی شخص پستی کی حالت میں ہے اور اُس حالت میں یہ خیال اُسکے دل میں کامل طور سے منقوش ہوجائے کہ میری یہ حالت ایک لازمی حالت ہے مجھکو ایسی حالت پر قانع رہنا چاہیئے تو ایسے خیال نے گویا اُس قوم کے واسطے ترقی و اقبال کا دروازہ ایسا بند کردیا جسکے وا ہونے کی کبھی اُمید نہیں ہوسکتی کیونکہ جب حالت کی اصلاح کا ارادہ ہی نہ کیا جائیگا تو کیونکر ترقی ممکن ہے قطعی طور پر خیال کرنا چاہیئے کہ اگر ہم کامل اور مستقل کوششوں سے اپنی حالتوں کی اصلاح کرینگے تو خدا کی عنایت سے روزانہ ترقیات کا حاصل ہونا ممکن ہے۔ دنیا کی تاریخ میں کسی شخص یا قوم کا ایسا نشان نہیں ملتا جو بغیر کوشش و محنت کے اوج ترقی پر پہونچی ہو۔ تیسرے یہ ہے کہ جس قوم یا جس شخص کو کسی منصب موجودہ کے زوال سے یا کسی سخت صدمہ پہونچنے سے افسردگی پیدا ہوکر یہ خیال پیدا ہوگیا کہ اب حالت سابقہ حاصل ہونا غیر ممکن ہے اور اس وجہ سے ترک کوشش کی تو گویا

اُسنے اپنے واسطے حیات افزا چشمہ کا رستہ بند کردیا اور اپنے پاؤں میں
خود کلہاڑی ماری۔ اب میں بقدر اپنی فہم کے یہ امر ثابت کرچکا کہ موجودہ حالت
پر آئیوالی حالتوں کا قیاس کرنا نفس انسانی کی ایک بڑی غلطی ہے پس ہمکو
لازم ہے کہ ہم جب کوئی قابل قدر شئے پامردی اور محنت سے حاصل
کریں تو حصول کے بعد بھی اسکی بقا و درستی کے واسطے ساعی رہیں
حصول کمال میں اگر غفلت سے ابتدا میں کوشش نہ کی گئی ہو تو یہ خیال
کرکے ترک کوشش نہ کریں کہ صرف ابتدا ہی میں حصول کمال کے دن
تھے بلکہ جب موقع ملے حصول کمال میں کوشش کرے نفس انسانی کی ذات
میں قوت ادراک موجود ہے مایوسانہ حالتوں میں جب افسردگی ستائے
تب یہ خیال کرکے ترک کوشش نہ کرے کہ ہمیشہ ایسی ہی افسردگی رہیگی۔
بلکہ کوشش کرکے اعلےٰ حالت کی جانب بعنایتہ تعالیٰ آنا چاہئے جب حالت
اعلیٰ حاصل ہو جائیگی تب افسردگی خود زائل ہو جائیگی۔ **حضرات** وقت
قابل قدر ہے باغ ہستی میں آئے ہو تو رنگ چمن پر فریفتہ ہو کر قیمتی وقتوں
کو ضائع مت کرو سیر ایسے طریقے سے اختیار کرو جس میں خود بھی دامن تمنا
گلہائے مراد سے پُر کرو اور دوسروں پر بھی گل فشانی کرسکو۔ خدا کے
فضل سے یہ اسی حالت میں ممکن ہے کہ ہر وقت اپنی حالتوں کی اصلاح
اور درستی کی طرف متوجہ رہو۔ الٰہی تیرا ہی فضل ہماری مایوسانہ حالتوں

ہیں مددگار ہوتا ہے ہماری تاریک حالتوںکو روشن کر ہماری مشکلات کے ٹہوس گرہیں ناخن الطاف سے کہول۔ ہمارے دلوں میں جوش۔ بازوں میں قوت۔ ہمتوں میں وسعت۔ کاموں میں برکت۔ مددگاروں میں ترقی دے۔ آمین۔

نمبر (۱۴)

دعا و محنت

مرے دستِ دعا کو ناز ہے شکستِ ہمت پر
سوالِ رب ارنی ہے زبانِ شوقِ وحشت پر
دلِ پر آرزو دیتا ہے دستک بابِ رحمت پر
کمندِ نالہ پہونچی ذروۂ بامِ اجابت پر

خداوندا دلِ پر غم کو جوشِ حق پرستی دے
روانِ آرزو مضطر ہے شور انگیز مستی دے

مرے الفاظ کے ڈھلنے کو دے اعجاز کا سانچا
الٰہی قدسیوں میں جا بجا ہو غلغلہ میرا
نہ ہو ہموزن میری بات کے دنیا و ما فیہا
بجا دے قصرِ عالم میں مری توحید کا ڈنکا

دہائی دیکھے کتنا ہوں تری ذرہ نوازی کی
روانِ ناتوان زخمی ہے تیغِ بے نیازی کی

غلط فہمونکے زمرہ میں نہ کر یا رب مجھے شامل
عنایت سے ہلالِ آرزو کو کر مہِ کامل
مجھے تو خادمانِ خاص کے حلقے میں کر داخل
الٰہی دمبدم ہوں برکتیں مجھ پر تری نازل

رہے بڑھتا رضا جوئی میں تیری حوصلہ میرا
تمنا دمبدم میری بپا ہے ولولہ میرا

خیالی وسوسوں کی کشور دل میں حکومت ہے ۔ زمانے میں جہاں دیکھا اسی الجھن میں خلقت ہے
طبیعی طور سے ہر اک بشر جویائے راحت ہے ۔ حصول مدعا کے واسطے سرگرم محنت ہے

خیال شاہد مطلب میں سب بیتاب پھرتے ہیں
زکی ہوں یا کہ شیدا بے خور و بے خواب پھرتے ہیں

طریق سعی لیکن ہے ہر اک کا جدا پایا ۔ کوئی محنت کا دلدادہ کوئی محو دعا پایا
کسی کو ناخن ہمت سے گرہیں کھولتا پایا ۔ کہیں تسبیح در کف دل بسوئے کبریا پایا

مٹا پھرتا ہے کوئی کسب سامان تجمل پر
کوئی بے فکر سوتا ہے پڑا فرش توکل پر

کوئی ہے مدعی اسکا کہ سب محنت سے ہوتا ہے ۔ وہی خرمن فراہم کر کے رکھتا ہے جو بوتا ہے
دعائیں مانگ کر انسان ناحق وقت کھوتا ہے ۔ بجا ہیں کیا اثر رکھا ہے کیا زاری سے ہوتا ہے

حصول مدعا چاہے تو استعمال قوت کر
اثر اللہ نے محنت ہی میں رکھا ہے محنت کر

کوئی کہتا ہے تاثیر دعا بے مثل نعمت ہے ۔ بقائے شوکت و سطوت دعا ہی کی بدولت ہے
دعائیں مانگنا خاصان حق کی طرز و عادت ہے ۔ دعائے صبح و آہ شب کلید گنج راحت ہے

ہوئی ہیں کشوریں مفتوح خاصوں کی دعاؤں سے
الٹ تختے گئے ہیں اولیا کی بد دعاؤں سے

مگر ہاتف نے کل شب یہ ہدایت مجھکو فرمائی ۔ کہ اے حیرت زدہ نیرنگ عالم کے تماشائی

یہ راز کبریا ہے اس میں کہاں تک روح فرسائی
مسافر سیکڑوں یاں کر گئے ہیں جادہ پیمائی
پڑی ہے راہ سیدھی اس سے جو بہکا گیا گذرا
بھٹکنے والے ماہر ہیں کہ اپنا حال کیا گذرا

مہمات جہاں کے واسطے محنت ہے پیرا شیا
کرے جو شخص اسکو ترک اور طالب ہے مقصد کا
ذریعہ ظاہری خالق نے ٹھہرایا ہے تو سمجھا
ہوا ناکام راہ منزل مقصود سے بہکا
نہ کی جب شرط کی پروا گیا مشروط ہاتھوں سے
اہم مقصد کہاں ہوتے ہیں حاصل خالی باتوں سے

بہ ترک سعی تو مطلب میں کوئی کامراں کب ہو
حوادث کا جہاں کے کون جانے تاک کس ڈھب ہو
بجا لا کر کے کوشش ہی نہیں لازم کہ مطلب ہو
خبر یہ کسکو ہے جو دن میں گذرا وہی امشب ہو
کبھی آغاز میں انجام ظاہر ہو نہیں سکتا
بشر اسرار پر قدرت کے ماہر ہو نہیں سکتا

مگر اس راہ میں ظاہر جو تدبیریں مؤثر ہیں
حوادث کی سپر ہونیکو وہ شرطیں مقرر ہیں
یقیناً منزل مقصود کے رستہ کی رہبر ہیں
یہ احسانات رب بے نیاز بندہ پرور ہیں
جو اس مسلک پہ چلتا ہے کہیں بھٹکا نہیں پھرتا
پہونچ جاتا ہے منزل پر کبھی اُلٹا نہیں پھرتا

بنام احتیاط اک شرط ہے دانا سمجھتے ہیں
خلاف حق سے بچنا برتر و اعلیٰ سمجھتے ہیں
برتنا اسکا ہر اک کام میں اچھا سمجھتے ہیں
رضائے حق پہ چلنا مقصد اقصیٰ سمجھتے ہیں

ہمیشہ چاہئے تجھے رہنا کہیں ناحق نہ ہو جائے
ادا و انا ہوس کے رنگ میں احمق نہ ہو جائے

یہ اول ہے سپر ہر حوادث باغ امکاں میں
کشتی نوح کی بن جاتی ہے جوش طوفاں میں

بہت کام آتی ہے جب ابر بہاری گلستاں میں
کلاہ ناز ہے فرصت میں چتر سر ہے باراں میں

چمکتی ہے صف اعدا میں تیغ جانستاں ہو کر
مہک جاتی ہے بزم خاص میں عنبر فشاں ہو کر

سپر ہے دوسری کرنا دعا خلاق اکبر سے
ملائے آنکھ رکھنا آستان پاک داور سے

زمین سجدہ کو نم کرتے رہنا دیدۂ تر سے
یقیں ہے اس عمل سے ابر الطاف خدا برسے

وہی پاکیزہ سیرت لوگ ہیں عالی مقاموں میں
جنھوں کے دل ہیں سوئے کبریا اور ہاتھ کاموں میں

کریں محنت تو ایسی دیکھ کر سب دنگ ہو جائیں
نہ ہوں دلدادہ دنیا پر نہ اس سے تنگ ہو جائیں

جو سجدے میں جھکیں تو خاک کے ہم رنگ ہو جائیں
نہ دب کر صلح کر بیٹھیں نہ گرم جنگ ہو جائیں

ضرورت مقتضی ہو جس قدر اتنا تعلق ہو
نہ اظہار تکبر ہو نہ پروائے تملق ہو

الٰہی میں بھی ہوں گرم نظارہ تیری گلشن میں
اچنبھا ہے تہی دامن رہوں پھولوں کی خرمن میں

بجز اشک ندامت کچھ نہیں ہے میرے دامن میں
شکایت ہو نہ بے سیری کی ظہور روز روشن میں

نہال آرزو کو بارور کر اپنی رحمت سے

گرا جاتا ہوں یا رب تھام لے دست عنایت سے

بچایا نوح کی کشتی کو تو نے جوش طوفاں میں
رہا محفوظ ماہِ مصر قعر چاہِ کنعاں میں

خلیل اللہ کو بے داغ رکھا نارِ سوزاں میں
نبی مرسل ہوں موسیٰ اور پلیں فرعون ہاماں میں

ترے محفوظ کو کوئی ضرر پہنچا نہیں سکتا
عناصر چھو نہیں سکتے فلک دھمکا نہیں سکتا

تری رحمت کے ہوتے احمدی کیوں غیر سے گھبرائے
ہر اک کے آستاں پر کس لئے سر ٹھوکریں کھائے

دلِ پُر آرزو پر یاس کی پھر کیوں گھٹا چھائے
خدا ہم تجھسا رکھتے ہیں تمنا کیوں نہ بر آئے

تو خود ہر چیز کا خالق ہے ہر شے پر توانا ہے
تجھے کیا دوسروں سے کچھ سفارش کرنی جانا ہے

نمبر (۱۵)

اصول سعی

احباب سامعین میں مشکور ہوں کہ آپ صاحب میرے
الفاظ کی قدر کرتے ہیں اور گاہ گاہ مجھکو کچھہ بیان کرنے پر متوجہ کرتے
ہیں - میں آج یہ بیان کرنا چاہتا ہوں کہ میںنے اپنے بیانات سابق میں اکثر
اوقات اس امر کو بیان کیا ہے کہ ہمکو اپنے مطالب کے حصول کے واسطے
کوششیں کرتے رہنا چاہئے اب بہی اسکے متعلق کچھہ سمع خراشی کرتا ہوں
ہمارے حکیم مطلق اور خداوند برحق نے جسکے ہم سب غلام اور مخلوق ہیں
ہمارے واسطے اگر ہم سمجھکر چلیں بہت سہولتیں رکہی ہیں - اکثر امور میں ہمکو
اختیار بخشا ہے اور اُن امور کے نتائج ہماری کوششوں پر منحصر فرمادیے
ہیں اور بعض امور کے نتائج اگرچہ ممکن ہوں لیکن کوششوں کے ساتھہ اُنکے
حصول کو ہم لازمی نہیں سمجھتے اور بعض امور کے نتائج ہمکو کسی حالت میں
کسی طرح حاصل نہیں ہوسکتے ایسی حالت میں لازم یہ ہے کہ جسطرح ہمارے
خداوند نے حصول نتائج کی حالتیں مقرر کی ہیں اسی طرح کوشش کی پابندی

کریں جن امور کے نتائج لازم الحصول ہیں اُنکی تعریف میرے خیال میں ان الفاظ
سے پیدا ہوسکتی ہے یعنی جو امور ایسے افعال و اشیا سے متعلق ہوں جن پر
ہمکو متصرفانہ قدرت حاصل ہو جیسے معاملات دنیا میں ہمارے منزلی اور تمدنی
امور اور معاملات مذہب میں ارکان مذہب کی بجا آوری یہ سب ہماری کوششوں
سے ضرور درست ہوسکتے ہیں اور اسوجہ سے زیادہ ضرورت ہمکو انہیں امور
کی طرف متوجہ اور ساعی رہنے کی ہے اگر کسی دوسری طرف متوجہ ہونے کا
شوق پیدا ہو تو ان امور میں کوشش قائم رکھنے کی حالت میں دوسری
طرف توجہ کیجائے ۔ یہ نہو کہ دوسرے امور کے شوق میں امور لازم السعی
ترک کئے جاویں اور جن امور کے نتائج ممکن الحصول ہیں اُنکی تعریف شاید
اس عبارت سے پیدا ہے یعنی وہ امور جن کا تعلق ایسے افعال یا اشیا یا
اشخاص سے ہو جنپر قابو حاصل ہونا نہ لازم ہو نہ محال ہو بلکہ ایک احتمالی
حالت میں ہو جیسے بڑے بڑے کاموں کے ارادے یا ایسے امور جن میں ہماری
کوششیں ایک خاص حد تک پہونچکر واجب التوکل ہو جائیں مثلاً
کاشتکاری کی وہ حالت جب کہ وہ زمین تیار کرکے اور تخم افشانی کرکے
بارش کے لئے دعا مانگتا ہو یا کسی سائل کی وہ حالت جب کہ وہ کامل کوشش
کرکے کسی ذیجاہ بادشاہ یا عالی رتبہ رئیس تک پہونچا ہو اور اپنی حالت
بیان کرکے جواب کا منتظر ہو ان دونوں حالتوں میں کوشش کرنیوالوں کی

انتہائے حد یہی تھی جہانتک وہ پہونچ چکے اب اچھا یا برا نتیجہ حاصل ہونا دوسرے
کے اختیار میں ہے قدرت کو اختیار ہے مینہ برسائے یا نہ برسائے اور
بادشاہ یا رئیس کو اختیار ہے سائل کی خواہش پوری کرے یا نہ کرے قس علی ہذا
معاملات دین میں کوئی طالب کسی صوفی یا مرشد سے کوئی خاص تعلیم ریاضت
شاقہ کی بامید مشاہدہ تجلیات باطنی حاصل کر کے ریاضت کی تکلیفات برداشت
کر رہا ہو اور مشاہدہ تجلیات کی آرزو میں مضطر ہو اُس حالت میں ممکن ہے
کہ شاہد غیب اپنے جمال جہان آرا کی کوئی جھلک دکھا دے مگر اسپر مجبور
نہیں ہے نہ چاہے نہ دکھائے۔ اور جن امور کے نتائج ممتنع الحصول ہیں
اُنکی تعریف کے واسطے یہ الفاظ کافی ہیں یعنے ہم ایسے افعال و اشیا کے
ذریعے سے حصول مقاصد چاہیں جن میں روا ہے مطالب کی استعداد
قدرت نے نہیں رکھی یا ایسے مطالب کی تمنا کریں جن کا حصول فی نفسہ
محال ہے مثلاً ہم یہ خواہش کریں کہ عمیق دریا کی موج خیز سطح پر بے تکلف
پیادہ پا چلکر عبور کریں جسطرح زمین کی سطح پر چلتے ہیں یا ہماری تمنا یہ ہو کہ ہمارا
جہاز یا کشتی سطح زمین پر اُسی طرح رواں ہو جیسے پانی پر چلتا ہے یا ہم چاہیں کہ
کوئی پتھر یا درخت ہمارے مانگنے پر کوئی ایسی شے ہمکو بخشدے جو اُس کی ذات
میں موجود نہ ہو حاصل اس سب بیان کا یہ ہے کہ امور واجب التعمیل
ہیں جنکے نتائج کو ہینے لازم الحصول کہا ہے ہمارے معاملات روزانہ کی

درستی کے واسطے ضروری ہیں کیا معنی زیادہ تر ضرورتیں ہمکو انہیں امور کی طرف ہیں ان امور کے درست قائم رکھنے کی حالت میں مقتضائے ہمت یہ بھی ہیں کہ اُن امور کی طرف بھی متوجہ ہوں جنکے نتایج کو ہینے ممکن یحصول کہا ہے لیکن کسی حالت میں اُن امور کی طرف متوجہ نہ ہونا چاہیئے جنکے نتایج ممتنع الحصول بیان کئے گئے ہیں انسانی زندگی کے معین اوقات اس قابل نہیں ہیں کہ مفت ضایع کئے جاویں یہ مقررہ اوقات ہمکو اسواسطے عنایت ہوئے ہیں کہ انہیں مقررہ وقتوں میں ہم دنیا کی ترقیات اور درستی امور نفع رسانی میں بھی کامیاب ہوویں اور انہیں اوقات میں اُس دوسرے عالم کے سفر کے واسطے بھی ذخیرہ فراہم کریں جس عالم کی طرف ہم اپنے ہم جنسوں کو ہمیشہ سرگرم سفر ناگزیر دیکھتے ہیں اور جسکا خوف ہر ایک شخص کو لگا رہتا ہے اس موقع پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ مرگ کیا ہے اور خوف مرگ کیوں ہے اور کیا ہماری کوشش سے اُس میں کوئی عمدہ نتیجہ پیدا ہو سکتا ہے تو میں کہہ سکتا ہوں کہ حالت مرگ کے متعلق کتب مذہبی میں جو کچھ لکھا ہے ہر ایک اہل مذہب کو اوسی کی طرف رجحان ہے لیکن عام طور پر ہر شخص ماہر ہے کہ مرگ اُس حالت کا نام ہے جب یہ کہ چند روزہ مہمان جس کو روح یا نفس ناطقہ کہتے ہیں اس عنصری پیکر سے ہمیشہ کے واسطے جدا ہو جاتا ہے اور خوف مرگ کی اصلی وجہ یہی ہے کہ انسان اپنی موجودہ حالت

کو بہت دوست رکھتا ہے اگر موجودہ حالت میں تکلیف شامل ہو جاتی ہے تو
خواہش تکلیف رفع ہو جانے کی کرتا ہے مرگ کی تمنا نہیں کرتا البتہ جب تکلیف ناقابل
برداشت پہونچتی ہے اور اُسکے رفع ہو جانے کی امید بھی منقطع ہو جاتی ہے
اُسوقت البتہ آرزوئے مرگ کرتا ہے مرگ کے بعد بقائے نفس کی بابت اگرچہ
دلائل عقلی موجود ہیں اور مذہبًا بھی پایا جاتا ہے تاہم چونکہ حالت بعد مرگ مجہول ہے
بدیں نظر بشر کو حالت بقاے بعد مرگ کی نسبت ایک مذبذب خیال رہتا ہے
اپنی بقائے بعد مرگ کا کامل یقین نہیں ہوتا وہمی قوت یہ وسوسہ دل میں
ڈالتی ہے کہ تو فنا ہو جاویگا اگر اس فنا کے خیال سے نفس انسانی
وجوہات بقا پر استدلال کر کے تسلی کر لیتا ہے تو یہ وسوسہ دل میں پڑتا ہے
کہ یہ حالت موجودہ یہ دوست آشنا یہ میل جول نہیں رہے گا بہرحال چار قسم
کے اندیشے خیال مرگ سے پیدا ہوتی ہیں۔ اول یہ کہ وقت مرگ تکلیف ناقابل
برداشت ہوگی۔ دوم یہ کہ مٹ جائینگے۔ سوم یہ کہ اگر باقی رہے تو تکلیفات
پیش آوینگی اور اُن تکلیفات میں کوئی دردو شریک نہوگا۔ چہارم یہ کہ موجودہ
حالت یہ جسم یہ ہاتھ پاؤں یہ دوست آشنا یہ گھربار یہ زن و فرزند یہ مال و
دولت وغیرہ جدا ہو جائینگے اور اُنکی جدائی سے کمال قلق اور بے چینی ہوگی
لیکن میرا خیال ہے کہ امور مفصلہ ذیل پر غور کرے تو حالت طمانیت پیدا
ہو جاتی ہے۔

امر اول کی نسبت یہ خیال ہے کہ البتہ وقت مرگ تکلیف ہوتی ہے لیکن
سب کے واسطے یکساں تکلیف نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں
کے واسطے بہت آسانی کے باطنی سامان مہیا کر دیتا ہے نیز وہ ایک آن
واحد کی تکلیف اور ناگزیر تکلیف ہے جس سے حفاظت کا کوئی چارہ نہیں
اگر ہم تمام عمر اس تکلیف کا وہیان کرتے رہیں تب بھی وہ اسیقدر باقی ہے
جسقدر ارادۂ اللہ میں ہمارے واسطے معین ہوئی اگر اسکا علاج کرنا منظور ہے
تو صرف یہی علاج ہے کہ اللہ تعالیٰ جل جلالہ کی مرضیات کے کام کئے
جائیں وہ مشکل سے مشکل وقت کو آسان کرسکتا ہے وہ ہر طرح قادر ہے
یہ امر بھی قابل تسکین ہے کہ منتظم حقیقی جب کوئی راحت یا رنج کسی ذی حیات
کے واسطے عنایتاً یا تادیباً اپنی حکمت بالغہ سے مہیا کرتا ہے تو اسیوقت
اسکی طبیعت کو بھی اس کی برداشت کے واسطے ایک خاص حالت
متحملہ عنایت کرتا ہے اسوجہ سے عین وقت پر تحمل ہو جاتا ہے۔
امر دوم کی نسبت یہ خیال ہے کہ ہماری ترکیب ظاہری اور جسم عرض جو کچھ
غذائیت سے حاصل ہوتا ہے ضرور اس حالت پر نہیں رہے گا الا نفس
ناطقہ بفضلہ تعالیٰ باقی رہے گا اور مع العلم ذاتی باقی رہے گا اس کی بابت
دلائل کثیرہ موجود ہیں اور خدا کے فضل سے مجھکو اس امر کا منجانب اللہ قطعی
علم دیا گیا ہے۔

امر سوم کی نسبت یہ خیال ہے کہ سزا اور جزا افعال نیک و بد کی البتہ ملنے کے مستحق ہم ہیں مگر اس میں میرا یہ گمان ہے کہ اعمال نیک کی جزا تو ضرور خداوند پاک دیگا کیوں نہ دیوے اُسکے یہاں کیا کمی ہے البتہ اعمال بد کی سزا کے بھی ہم مستوجب ہیں لیکن چونکہ وہ پاک خداوند اور قادر ذوالجلال ہے اختیار رکھتا ہے چاہے سزا دے اور چاہے محض اپنی شفقت سے معاف فرمادے وہ اس امر میں مجبور نہیں ہے۔

امر چہارم کی نسبت یہ خیال ہے کہ حالت موجودہ اور اشیاء موجودہ کے ساتھ جو ہمکو دلبستگی ہے یہ دلبستگی بھی حالت موجودہ تک محدود ہے جب حالت موجودہ کو ہمسے بعد ہوتا جائیگا اُسکے ساتھ ہی حالت موجودہ اور اشیائے حالت موجودہ کی دلبستگی کو بھی ہم سے بعد ہوتا جاوے گا۔

یہ تجربہ ہمکو خود حالت حیات میں ہے ہم بالیقین کہہ سکتے ہیں کہ ہماری حالت طفلی کی دلبستگی ماں اور مہربان اور دایہ اور گھر کی کنیزوں کی محبت اور پھر چھوٹے چھوٹے ہم عمر بچوں کی الفت اور بازی طفلانہ تک محدود تھی پھر گیند بلا اور گوند پہاند اور یاران مکتب تک تھی جب حالت طفلی سے نقل کرکے ہمکو گلشن جوانی کی گلگشت نصیب ہوئی تو ہماری دلبستگی بھی حسن پرستی وزور آزمائی وخود آرائی کی طرف منتقل ہوآئی وقس علی ہذا جوں جوں حالت بدلتی گئی ساتھ ہی اُسکے دلبستگی بھی منتقل ہوتی رہی۔ آج اپنی حالت پر ہم قیاس کرتے ہیں تو جن اشیاء سے تعداگر

ہمکو دلبستگی تہی اور جو لوگ ہمکو اسوقت عزیز تہے آج نہ وہ اشیا ہیں نہ وہ لوگ نہ وہ ہماری حالت اور نہ اُس حالت کے ساتھ اب کچھہ دلبستگی ہے بلکہ حالت موجودہ و اشیائے موجودہ و یاران صحبت موجودہ کے ساتھ دلبستگی ہے کبہی کبہی گذشتہ حالتونکا دہیان آکر جو طبیعت پر ایک اثر تہوڑی دیر کے واسطے پیدا ہوجاتا ہے اُسکا سبب صرف یہی ہے کہ حالت گذشتہ سے زیادہ بعد نہیں ہوا جب زیادہ بعد ہوجاویگا پہر کبہی دہیان بہی نہوگا اشعار ذیل اسوقت بےتکلف زبان پر آگئے۔

اشعار

الفراق اے جوشش ایام شباب	الفراق اے بادۂ و جام شباب
الفراق اے خندۂ دندان نما	الفراق اے ذوق بزم جانفزا
الفراق اے جوش استغنائے من	الفراق اے عشق بے پروائے من
الفراق اے پرسش جوئے دلبران	الفراق اے آرزوے گلرخان
الفراق اے آہ عالم سوز من	الفراق اے تیر گردون دوز من
اے ہوائے باغ و بستان الفراق	ذوق گلگشت گلستان الفراق
از خودی صد رم رمیدن الفراق	والۂ وزدیدہ دیدن الفراق
رخصت اے مشق خرام ناز من	الفراق اے شوخی انداز من

سوئے جانانم ببر از من پیام
احمدی نامی ست باقی والسّلام

پس جب کہ یہ حال ہے تو ان سب امور کے واسطے ہمارے ہاتھ میں صرف ایک ہی علاج ہے یعنی یہ کہ ہم اپنے دینی و دنیوی کاموں میں استقلال کے ساتھ کوشش کرتے رہیں اپنے ہمجنسونکی ہمدردی کریں اور حتی الامکان یہ ارادہ رکھیں کہ ہمارا دست قوت جب کبھی ممکن ہو کسی ضعیف کی حمایت و حفاظت کے واسطے دراز ہو - اور ہمکو قطعی یقین کرنا چاہیئے کہ ہم اپنے اُن افعال کے ذمہ دار ہیں جو ہمارے ذاتی ارادوں سے متعلق کیئے گئے ہیں جنکے کرنے میں خود ہمارے ارادونکو دخل ہے - مستوجب جزا یا سزا کے ہم اُسی وقت ہونگے جب کہ ہمسے صدور فعل ہو یہ نہیں ہے کہ ہم قبل از صدور فعل مجرم یا ملزم قرار پا سکیں اگرچہ بالقوی یا بالمادہ ہم کچھ ہی اندرونی استعداد رکھتے ہوں لیکن نتائج افعال پانے کے مستحق ہم صدور افعال کے بعد ہی قرار پائینگے - ہمارے خداوند نے اپنے بہت سے انعام تو ہمکو بدون خدمت و محنت عطا فرمائے جیسے آنکھیں - کان - اعضائے جسمانی - قویٰ - صحت - ہوا - آگ - پانی وغیرہ جنسے ہماری راحتونکے سامان پیدا ہوتے ہیں - ان اشیا کے پیدا ہونے میں ہماری کوشش کو مطلق دخل نہیں لیکن ان فائدہ بخش اشیا سے فائدہ اُٹھانے اور حسب خواہش آرام پانے کو ہماری کوششوں پر منحصر فرمایا

اب ہمکو اختیار ہے ہم سمجھہ سوچکر جو ہوئیں وہ کاٹیں اپنے برتر خداوند کی مرضیات کے کاموں میں دل لگاکر ہمیشہ کوشش کرتے رہیں اپنی نفسانی خواہشوں میں آکر وہ کام نہ کریں جو اُس پاک بندہ نواز کی مرضیات کے خلاف ہو جب تک ایسے امور کی پابندی رہیگی کچھہ اندیشۂ مرگ نہیں ہے جب خدا کا فضل شامل حال ہے تو ہمکو اندیشۂ مرگ کیوں ہو۔ جرائم تو وہ بدبلا ہیں انکا نتیجہ دنیا میں پیش از مرگ ملجاتا ہے لیکن جو کوئی شخص جرم نہیں کرتا اُسکو کوئی سزا نہیں دیتا بلکہ اُس کی عزت کرتے ہیں۔ پھر وہ پاک بندہ نواز اپنے راستباز غلاموں کا ہر حال میں مددگار کیوں نہ رہے گا۔

اے ہمارے ازلی ابدی خداوند۔ اے ہمارے مشکل وقتوں کے فریادرس تو ہماری امداد فرما اور ہمکو حوصلہ دے کہ ہمارے اوقات عمر تیری ہی استرضا میں صرف ہوں۔ تجھکو سب کچھہ قدرت ہے۔ اے کرّات وسمندروں کی حالتیں بدلنے والے۔ کواکب وکرّات اور عناصر وہی اثر ظاہر کرسکتے ہیں جو تیرے فیض قدرت نے اُنکو عنایت فرمایا ہے۔ یہ سب عظیم الشان اجسام معین ومحدود حالتوں میں اسی طرح اپنا وقت گذارتے ہیں جسطرح ایک ادنی ذرہ یا نہایت چھوٹی جیتی جان۔ یہ سب اپنی معین عمر پاکر اسیطرح مٹ جائینگے جس صورت سے نہایت کم وقعت پانی کا بُلبُلہ مِٹجاتا ہے تیرے دست قدرت نے اسی طرح لاکھوں بنائے اور مٹادئے جس طور پر ایک نیّر اپنی ہستی کے زمانہ میں ہمکو ایک چلتا ہوا پہاڑ خیال کرتا ہے اسی طریقہ سے ہم اپنی ہستی کے زمانہ

پہاڑ کو بہت عظیم اور دیرپا سمجھتے ہیں - پہاڑوں کی بہ نسبت زمین ایک عظیم الشان چیز ہے اور زمین کی نسبت آفتاب اور آفتاب کی نسبت شمس الشموس - لیکن یہ سب عظمتیں تیرے دست قدرت کی نوک ناخن کا ایک ادنی کرشمہ ہے تیرے سہل سے آہنگ قدرت نے بے انتہا دیرپا اشیا بنائیں اور مٹادیں بااین ہمہ تیری شفقت کی وہ شان ہے کہ باوصف ان بڑے بڑے سامان قدرت کی مصروفیت کے ضعیف اور کمزور چیونٹی کے سامان تفریح مہیا کرنے میں بے پروائی نہیں کرتا - مچھر کے خیالی تمنا کے دہیمے اشارات پر نسیم عشرت پہونچاتا ہے جب کہ تو ایسا ہے تو پھر تیرے سوا وہ کون ہے جس کی طرف ہم بھول کر بھی آنکھ اُٹھانیکو گوارا کریں تو ہی ہمکو کافی اور بس ہے -

نظم

درِ اغیار پر جھکنے نہ دے سر اپنے شیدا کا
ہوں مشتاقِ تجلی لن ترانی مت سنا مجھکو
لب رحمت سے اکثر قُم باذن اللہ سنتا ہوں
ہوائے گلشن دیدار میں گرم پریدن ہے
غرض کیا میکدو سے خم کشانِ رب ارنی کو

نہیں دشوار کچھ تجکو روا کرنا تمنا کا
میں آشفتہ نہیں لادہ کچھ تقلید موسی کا
نزا جو یا نہیں محتاج قُم بہاے عیسے کا
قفس سے دم خفا ہوتا ہے مرغ رشتہ برپا کا
ہماری آنکھ میں رتبہ نہیں کچھ جام و مینا کا

خیالی وسوسوں میں زندگی کے دن گزرتے ہیں
قدم رکتا نہیں ہے توسن عمر سبک پا کا

تمنائیں بہت ہیں کاش وسعت اُسکی کافی ہو
سوالی بنکے دامن نا پنا پھرتا ہوں صحرا کا

ترے جویا زمانے میں ہیں سب پوچھتے پھرتے
وہ صورت ہے کہاں پنہاں کہ سب کچھ جسکا ہے خاکا

الٰہی احمدی لایا ہے جنس آرزو ارزاں
ترا ہی فضل گاہک ہو تو ٹھیرے نرخ اشیا کا

نمبر (۱۶)

امداد مستحقین

اے سامعین میں آج سادہ الفاظ میں وہ بات بیان کرنا چاہتا ہوں جو عام ہے اور جس سے قریب ہر شخص واقف ہے اگرچہ میرا یہ بیان شاید مطبوع نہو لیکن پھر بھی مجھے کچھ کہنا اور آپ صاحبوں کو کچھ سننا چاہیے ہر شخص جانتا ہے کہ ہم انسانوں میں سب افراد یکساں حالت میں نہیں پیدا ہوئی ہیں نہ باعتبار حالتِ صحت و مرض کے یکساں ہیں نہ سعادت و شقاوت میں یک رنگ ہیں بلکہ ہر فرد خاص کی ایک جداگانہ حالت ہے اس موقع پر مجھکو حالتوں کی تفصیل کرنے کی ضرورت نہیں۔ اُن قدرتی مصلحتوں سے بحث کرنا مقصود ہے کہ نوع واحد میں مختلف الحالت افراد کیوں پیدا کئے گئے۔ یہ تو حکیم مطلق کی مرضی ہے۔ اُس یگانہ برحق نے جو مناسب سمجھا دیا ہم کون ہیں جو اسرار قدرت سے بحث کریں۔ ع

بہر کس آنچہ باید دادہ اند

میں صرف ایک خاص فکر کرنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ ہم انسانوں میں بعض افراد ایسے پائے جاتے ہیں کہ اُنکو صحت وتندرستی - مال ودولت علم وحکمت - تحکم وتجشم سب کچھہ حاصل ہوتا ہے - بعض متوسط الحال ہوتے ہیں بعض ایسے ہوتے ہیں کہ با وصف ادبار ومصیبت کے امراض صعبہ میں بھی مبتلا رہتے ہیں باایںہمہ اعضائے معمولی جسمانی میں بھی کوئی نہ کوئی بیکار رہوتا ہے - غور کرو کیسی متفاوت حالتیں ہیں - میں خیال کرتا ہوں کہ ہر شخص کا یہ فرض ہونا چاہئے کہ اپنی حالت کا موازنہ دوسروں سے کرتا رہے - اگر اپنی حالت سے دوسروں کی حالتیں بہتر دیکھے تو اُن وسائل واسباب پر نظر کرے جو دوسروں کو حاصل ہیں اور پھر بقدر امکان اُسکے حصول میں راستبازی کے ساتھ تدریجی کوششیں اور واہب مطلق سے دعا کرتا رہے اور اگر اپنی حالت کسی کی حالت سے بہتر پاوے تو حتی الامکان اُس شخص کی مدد وہی کا اُس حالت میں ارادہ کرے جس میں نقصان واقع ہوا ہے - اس موقع پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ افراد عالم غیر متناہی ہیں کوئی شخص کس کس کی حالت درست کرسکتا ہے - میں جواب میں کہہ سکتا ہوں کہ کفیل سب کی حالتیں درست کرنیکا یا دوسرے افراد کی طبیعتوں میں جوش حمایت پیدا کردینے کا خالق برحق ہے - انسانکا فرض بقدر اسکی وسعت اور مقدرت کے محدود ہے - پس بقدر وسعت ومقدرت امداد پہونچانا اپنے فرض کے ادا کرنے میں داخل ہے - قابل غور دو امر

ہیں ایک یہ کہ ہر شخص بقدر اپنی وسعت اور قدرت کے اپنی ذات خاص کو بخل سے بچائے بلکہ لفظ فیاض کے مستحق ہونے کا ارادہ کرے۔ دوسرے یہ کہ امداد کی غرض سے جو کچھ صرف کیا جائے یا کوشش بجا لائی جاوے وہ ٹھیک ایسا موزوں ہو کہ گویا اسی طرح ہونا چاہیئے تھا شاید کوئی صاحب یہ تردد کریں کہ ہر شخص لفظ فیاضی سے منسوب نہیں ہو سکتا تو میں کہہ سکتا ہوں کہ جو خوش ہمت مزدور اپنی دن بھر کی محنت سے دو آنہ پیدا کرے تو ظاہر ہے کہ ایسی قلیل رقم اسی کے مصارف کو مشکل سے کافی ہوگی با ایں ہمہ ایسی قلیل رقم میں سے ایک ایک دمڑی اس غرض سے جدا کرتا جاوے کہ کسی دوسرے مستحق اعانت کی اعانت میں صرف کریگا تو کوئی شبہہ نہیں وہ مزدور لفظ فیاضی کا مستحق اُس امیر کبیر سے کم نہوگا جو ایک کروڑ کی مملکت میں لاکھ روپیہ سالانہ امداد میں صرف کرتا ہو۔ اسوقت طوالت کلام مناسب وقت نہیں۔ حاصل مطلب یہ ہے کہ بقدر مقدرت خیرات کرنا اور بقدر قوت امداد پہونچانا ایسے ضروری امور ہیں کہ نہایت توجہ سے اسطرف متوجہ رہنا چاہیئے اور اُسکے طریقہ تعمیل کی کامل جانچ کرتے رہنے چاہیئے ہم اپنے اکثر ابنائے جنس کو کامل فیاض پاتے ہیں بلکہ بعض صاحبوں کی فیاضی اسراف کے درجہ تک بڑھجاتی ہے لیکن جس جگہ مستحقین مدد کا امتیاز نہیں ہوتا وہاں شاید فیاضی کے بارآور نتائج کی امید کرنا محض خیالی ہو۔ ہمکو ہمارے احکام مذہبی صاف صاف ہدایت کر رہے ہیں

اور عقل بھی بتا رہی ہے کہ ہمارے صدقات وخیرات اُن بیکس اپاہجوں کی دستگیری
اور امداد میں صرف ہوں۔ جو اپنی حالت کے اعتبار سے غایت درجہ ترحم کے
مستحق ہوں یقیناً دوسرے مذاہب کے احکام میں بھی ایسے ہی لوگ
مستحق رعایت ورحم ہیں۔ میں آرزو سے کہتا ہوں کہ اپنے پسینے کی کمائی
میں سے ہر شخص ایک حصہ ضرور ایسا نکالے جو ایسے لوگوں کی پرداخت
میں صرف ہو۔ ہم مسلمانوں میں فیصدی اڑہائی روپیہ یعنی چالیسواں حصہ مال
کا زکوۃ دینا صاحب نصاب پر فرض ہے۔ مذہب ہنود میں بھی دہرم
پُن کا بہت ذکر ہے گو خاص حسابی تعداد کی تفصیل نہو۔ حاصل مطلب یہ ہے
کہ جس مذہب میں جو ہدایت ہو اُسکی پابندی ضرور ہے لیکن صرف اُس کا
اپاہجوں کی پرداخت میں ہونا چاہئے۔ میرا ہمدرد دل یہ بھی چاہتا ہے کہ اعتقادی
رسوم کی بجا آوری میں جو فراخ حوصلگی سے روپیہ صرف کیا جاتا ہے کاش اُس
میں بھی زیادہ نہیں تو نصف حصہ ان مستحقین رحم کا نکالا جائے تاکہ اسوجہ
سے اُس اعتقادی رسم کی زیادہ برکتیں بڑہجاویں۔ کیونکہ اسکے ساتھ یہ بھی
کیا جائے کہ مستحقین رحم کی پرداخت سے جس اجر یا ثواب کی عند اللہ
اُمید ہو وہ اُس برگزیدۂ بارگاہ احدیت کی ملکیت کر دیا جائے جس کے
حصول رضامندی کے واسطے اعتقادی رسم ادا کی گئی ہو مثلاً عشرۂ
محرم میں جب مجالس حسنین علیہما السّلام منعقد کیجائیں اور اُن میں محبان حسین

علیہ السلام کے اجتماع اور مرثیہ خوانی کی مدارات اور تعزیہ داری کے اہتمام میں صرف کیا جائے اُسکا نصف محتاجین مستحق رحم کی پرداخت کے واسطے لگا کر ثواب اُسکا حسنین علیہما السلام کی ملکیت کر دیا جاوے۔ قس علی ہذا مجالس میلاد شریف میں یا گیارہویں شریف میں یا اولیا اللہ کے عرسوں اور مزاروں کی روشنیوں میں صرف کرنا ہو تو نصف اُسکا اس کار خیر میں صرف کر کے اجر اُسکا اُس برگزیدہ الٰہی کی ملکیت کر دی جاوے۔ بالیقین اس طریقہ میں بہت برکات ہیں اور جس قوم میں خیرات دینا کسی خاص قوم کے واسطے مخصوص کر دیا گیا ہو اُس کی عمدہ تدبیر یہ ہو سکتی ہے کہ اُس قوم مخصوص میں جو اپاہج مستحقین رحم ہوں اُن کو دینا چاہیئے۔ اب اسقدر بیان کرنا باقی ہے کہ اس سب تقریر میں لفظ محتاج سے میری مراد کیا ہے محتاجین مستحق رحم ظاہرا یہی لوگ ہیں یعنی وہ اندھے اور لنگڑے جن کا کوئی ذریعہ معاش نہو نہ کوئی اُنکا سرپرست ہو نیز وہ یتیم لڑکے جنکے مربی نہ رہے ہوں بہر حال پیش از زمانہ سن بلوغ وہ محتاج ہیں وہ ضعیف بیوائیں جن کا کہیں معاش کا سہارا نہو میں آپ سب صاحبوں سے التجا کرتا ہوں کہ اگرچہ یہ جو کچھ مینے بیان کیا ہے کوئی نئی بات نہیں بلکہ وہی ہے جسکو تم سب جانتے ہو لیکن قابل قبول ہے۔
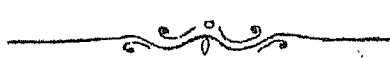
نظم

سحر نشاط ہے دوستاں کریں ٹھاٹھ سب بلائیں ہم
رہِ گلستاں ہے کھلا ہوا روشوں پہ فرش بچھائیں ہم
سجیں تن پہ خلعتِ بے بہا ملیں عطر بزم سجائیں ہم
کریں گلفشانی خوشی خوشی بسرور سب کو سنائیں ہم

درِ کبریائے کریم پر اُٹھو ملکے سر کو جھکائیں ہم
بخشوع ذکرِ خدا کریں بخلوص حمد و ثنائیں ہم

ذری تھم صبائے رسیدہ خو ہے وسیع دامنِ آرزو
تیرا رنگ گلشنِ دہر میں یہ جا کہ دھوم ہے چار سو
تو کہاں سے لائی یہ رنگ و بو جو مہکتی پھرتی ہے کو بکو
تو بہر چمن کہ جہاں رہی نفسے پیام زما بگو

درِ کبریائے کریم پر اُٹھو ملکے سر کو جھکائیں ہم
بخشوع ذکرِ خدا کریں بخلوص حمد و ثنائیں ہم

زر و سیم و کلکلہ و قبا و دُر و لعل و گنج گراں بہا
گل و گلبن و شجر و ثمر نے و نغمہ و سحر و سہا
دف و کوس و طبل و علم لوا لبِ نہر و باغ طرب فزا
شبِ عیش و روزِ نشاط زا ہے اُسکا لطف کیا ہوا

درِ کبریائے کریم پر اُٹھو ملکے سر کو جھکائیں ہم
بخشوع ذکرِ خدا کریں بخلوص حمد و ثنائیں ہم

کھلیں پھول کیوں نہ چمن چمن پہ کیوں نہ بلبلیں نعرہ زن
وہ گھٹائیں جھومتی آتی ہیں وہ اشتیاق میں قطرہ زن
سہی سرو کیوں نہ کھچیں تنیں ہم و نہر کیوں نہ ہو چشمک زن
بزبانِ خاص خوش چنیں لبِ عندلیب سخن فگن

درِ کبریائے کریم پر اُٹھو ملکے سر کو جھکائیں ہم
بخشوع ذکر خدا کریں بخلوص حمد و ثنائیں ہم

کہو فلسفی سے کہ تو فنون ہی سُن چکا میں چگونہ و چوں
تو خود اپنی اصل بتا تو دے کہ تو عین ہے یا کہ جُون
نہیں تجھکو گر اثر جنون تو یہ اتنی بحث بڑہائے کیوں
ہیں اگرچہ اتنی بجا ترے تو یہ بات مان جو میں کہوں

درِ کبریائے کریم پر اُٹھو ملکے سر کو جھکائیں ہم
بخشوع ذکر خدا کریں بخلوص حمد و ثنائیں ہم

مجھے چھوڑ کشمکشِ جہاں دبے ضرور ثنا میں آں
صفِ انبیاء و ملائکہ بو فورِ شوق و طرب جہاں
تمہیں ساتھ کیوں کہاں کہاں مجھے ملچکا ہی وہ آستاں
پس و پیش ہیں ادب کہ یہ مجھے دیکھکر کیا کہاں

درِ کبریائے کریم پر اُٹھو ملکے سر کو جھکائیں ہم
بخشوع ذکر خدا کریں بہ خلوص حمد و ثنائیں ہم

مجھے بال شوق جو سے اُڑا سوے سدرہ میرا گزر ہوا
یہ مقامِ پاک ہے مشغلہ یہاں غیرِ طاعتِ کبریا
کہا جبرئیل نے مرحبا نفسے نشین و کرم نما
نہیں کچھ کسی کا ہی مشغلہ بہ حضورِ دل لصفِم درآ

درِ کبریائے کریم پر اُٹھو ملکے سر کو جھکائیں ہم
بخشوع ذکر خدا کریں بہ خلوص حمد و ثنائیں ہم

وہ خدائے جل جلالہٗ نہیں جسکا مثل کوئی کہیں
کئے خلق لطف سے اب بھی وہ کبھی کن تو ہو یہ کہیں نہیں
ازل و ابد بشر و ملک شجر و حجر فلک و زمیں
نہ سبب کا زنگ جمی یہاں نہ علل کی آل گلے کہیں

درِ کبریائے کریم پر اُٹھو ملکے سر کو جھکائیں ہم

بخشوع ذکرِ خدا کریں بہ خلوص حمد و ثنائیں ہم

مجھے جوشِ لطف کر اے خدا نہ ہو دل کو الفتِ ما سوا
قدمِ طلب تری رہ میں ہوں حرمِ حضور تلک رسا

تری رٹ لگی رہے وہ بیاں ہیں خفی و جلی سحر و مسا
تہِ دل سے ہو وِرد یہ آرزو لبِ فرطِ شوق سخن سرا

درِ کبریائے کریم پر اٹھو مل کے سر کو جھکائیں ہم
بخشوع ذکرِ خدا کریں بہ خلوص حمد و ثنائیں ہم

زہے ذاتِ پاک جلیلِ ما بحیات و مرگ کفیلِ ما
کرمِ عمیم مطہرش وم و درد و یاس خلیلِ ما

زہے رہ نمائے و دلیلِ ما بہ قیامِ ما و رحیلِ ما
ہم از دست جملہ متاعِ ما چہ کثیرِ ما چہ قلیلِ ما

درِ کبریائے کریم پر اٹھو مل کے سر کو جھکائیں ہم
بخشوع ذکرِ خدا کریں بہ خلوص حمد و ثنائیں ہم

مرے پاک خالقِ بے نشاں تری جستجو ہو کہاں کہاں
تو نہاں ہے پر ہے جو کچھ عیاں تری قدرتوں کے ہیں سب نشاں

تجھے جسم چھو نہ سکے کبھی نہ نظر میں لا سکے چشمِ جاں
مجھے عشقِ خاص نصیب کر مرا ورد ہو یہ بیانِ ماں

درِ کبریائے کریم پر اٹھو مل کے سر کو جھکائیں ہم
بخشوع ذکرِ خدا کریں بہ خلوص حمد و ثنائیں ہم

تری کائنات وسیع میں خطِ حد تلک کوئی جائے کیا
پس و پیش کا نہ نشان ہے چپ و راست کا کہیں پتا

نہ نشیب کی کہیں ابتدا نہ فراز کی کہیں انتہا
تری ذات خود ہی علیم تر وہ ادا نہیں کی مجھ اس سے کیا

درِ کبریائے کریم پر اٹھو مل کے سر کو جھکائیں ہم
بخشوع ذکرِ خدا کریں بہ خلوص حمد و ثنائیں ہم

سحر نشاط ہے چمن ہی درِ فیضِ حق سے ہے یہ ندا
ہیں غلام اسکے من و شما وہ ہی شاہ مستعد عطا
جو مراد ہو کہو مو بمو کھلے حال دل کا ذرا ذرا
خوشی خواہ چاہیں سو مانگ لیں نہیں دخل غیر کسیکو کیا

درِ کبریائے کریم پر اٹھو مل کے سر کو جھکائیں ہم
بخشوع ذکرِ خدا کریں بخلوص حمد و ثنائیں ہم

میں پھرا ہوں دہر میں چار سو لئے صید طائر آرزو
نہ مٹی حرارتِ دل کہیں نہ جگر کا بند ہوا لہو
نہیں چھوڑا جادۂ جستجو نہ رکا کہیں تھا کبھو
مگر اب ہیں آپ طبیب ہوں جو ملا یہ باب شفا ہو

درِ کبریائے کریم پر اٹھو مل کے سر کو جھکائیں ہم
بخشوع ذکرِ خدا کریں بخلوص حمد و ثنائیں ہم

دلِ احمدی کو اتابک ہی یہیں سے خواہشِ برتری
کہیں وہ ہو یہ فسردگی دل پہ پھر اس کی تہ ہری
نہ خیالِ جن و بشر کبھی نہ ہوائے زہرہ و مشتری
بدنِ نزار کی کنپ کنپی نظر آئے نور خداوری

درِ کبریائے کریم پر اٹھو مل کے سر کو جھکائیں ہم
بخشوع ذکرِ خدا کریں بخلوص حمد و ثنائیں ہم

نمبر (۱۷)

انعقادِ مجالس

حضرات میں آج کچھ دیر آپ صاحبوں کے خیال کو ایک ضروری امر کی طرف متوجہ کرتا ہوں۔ میرے بیان میں کوئی لفظ یا کوئی مفہوم کسی صاحب کے مناسب طبع نہو تو محض اس امر پر خیال کر کے مجھکو قابل معافی سمجھینگے کہ مینے صرف ہمدردی کی راہ سے سمع خراشی کی ہے۔ میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ہماری قوم یا ہمجنسان معاصر کے گروہوں میں جو مجلسیں منعقد ہوتی ہیں اُن مجالس کے انعقاد میں ایک مفید تدبیر شامل کر دیجائے تو نہایت مستحسن معلوم ہوتا ہے۔ لفظ مجلس سے میری مراد اُس اجتماع قوم سے نہیں ہے جو واسطے ادائے احکام مذہبی کے عبادت گاہوں میں فراہم ہو کر ادائے فرض مذہبی کرتے ہیں۔ میں اپنے بیان میں اُن مجالس کو بھی مستثنیٰ کرتا ہوں جن میں مذہب کے احکام کے متعلق وعظ و ہدایت ہوتی ہے میری التماس کے الفاظ کو اُن مجالس کے بیان تک محدود سمجھنا چاہیئے جو شادی کی تقریبات یا اعلیٰ دعوتوں کی تقریبات

یں منعقد ہوتی ہیں۔ اُن میں وہ مجالس ہی شامل ہیں جو اعتقادی امور کے متعلق
منعقد ہوتی ہیں جیسے میلاد شریف کی مجلسیں یا عشرۂ محرم کی سالانہ مجلسیں ہیں ان
مجالس کے امتیاز اور تخصیص کرنے سے میری غرض یہ ہے کہ میرے خیال
کے بموجب ہم انسانوں کی حالتیں ہمیشہ اس امر کی حاجتمند رہتی ہیں کہ ان
کی جانچ اور بہ حالت ضرورت اصلاح کرتے رہنا چاہیئے۔ پس مجالس وعظ
و ہدایت تو خود اسی غرض سے منعقد ہوتی ہیں کہ اُن میں احکام مذہبی اور صلاح
اخلاق کی ہدایت ہوتی ہے۔ بدیں وجہ اس موقع پر صرف اُنہیں مجالس کے
متعلقات کا ذکر کرنا مناسب وقت ہے جو سطور بالا میں مذکور ہوئے ہیں۔
ہم دیکھتے ہیں کہ ہماری قوم میں شادی کی تقریبات میں یا اعلیٰ دعوتوں کی تقریبات
میں جب محفلیں منعقد کی جاتی ہیں تو بیشتر توجہ سب شرکاء محفل کی ان امور کی
جانچ پر متوجہ ہوتی ہے کہ مالک خانہ و مہتمم بزم نے تکلفات ظاہری میں کہاں تک
عالی ہمتی کی ہے۔ مکان کی آرائش میں کیسا اہتمام کیا ہے رقص و سرود
کے متعلق کیسے سامان ہوئے ہیں۔ غرض اسی قسم کے خیالات سب کے
دماغوں میں جاگزین ہوتے ہیں اور مالک خانہ کی مدح و ذم انہیں امور کی درستی
و نادرستی سے متعلق ہوتی ہے۔ اگر مصارف فضول میں دریا دلی کیجاتی
ہے تو مالک خانہ اُس زر کثیر کو بے اندازہ صرف کر دینے کے صلہ میں لفظ مرحبا
سنکر خیالی سرور میں پھولا نہیں سماتا۔ اور اگر کسی امر میں سہو بشری کی جو

سے کوئی فرو گذاشت ہو جاتی ہے تو اپنے ہم چشموں میں ہدف تیر ملامت ہوتا ہی
القصہ علت غائی اس تمام محنت اور خرچ کی ایک خیالی امید مرحبا اور وہ بھی احتمالی
حالت میں ہے۔ سوائے اس خیالی امید کے کوئی اخلاقی یا تمدنی نفع
کسی کو نہیں پہونچتا۔ حالانکہ لازم یہ ہے کہ جس موقع پر اکابر خاندان یا
اکابر قوم جمع ہوں اُنکے اجتماع سے کچھہ نہ کچھہ اخلاقی یا تمدنی فائدہ حاصل
ہونا چاہیئے شاید میرے اس بیان پر کوئی صاحب اعتراضات ذیل کریں
اول یہ کہ شادی کی تقریبات یا دعوتوں کی تقریبات کچھہ قومی پنچایتیں نہیں ہیں
کہ اُن میں ایسے زائد امور پر غور و فکر کیجاوے خوشی اور آزادی کے موقع
پر افسردہ اور غور طلب معاملات کا پیش ہونا گویا بزم شادی کا برہم کر دینا ہے
دوسرے یہ کہ شادی اور دعوتوں کی تقریبات میں عالی حوصلگی سے خرچ کرنا اور
مہمانوں کی مدارات میں ہر قسم کے اہتمام کرنے کسی حالت میں قابل اعتراض
نہیں ہو سکتے۔ میں جواب میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ بیان متذکرہ بالا سے میری
یہ مراد نہیں ہے کہ اکابر مجلس کے روبرو کوئی افسردہ امر پیش کیا جائے یا
ایسے غور طلب معاملات پیش کئے جائیں جنسے وقت ضائع اور طبیعت متفکر
ہو جائے یہ بھی مراد نہیں ہے کہ کوئی اجنبی امر پیش کیا جائے نہ یہ مقصود ہے
کہ بقدر وسعت تکلفات و خرچ سے باز رہا جائے بلکہ مراد یہ ہے کہ اُنکو امور متعلقہ
تقریب کی جانچ کا موقع دیا جائے اور جب وہ مبارک تقریب انجام کو پہونچے

تو اُسوقت اُس تقریب کے سب مراتب ہر ایک حاضر وقت کے ذہن میں موجود ہونگے اُسوقت تجربہ کاران موجودہ آپس میں اس امر پر بحث کرکے ایک نتیجہ مستخرج کیا کریں کہ ایسی تقریبات میں آیندہ کے سلئے کوئی امر اصلاح طلب ہے یا نہیں۔ اگر ہے تو کون اور اُسکی اصلاح کیا ہے۔ عام اس سے کہ وہ اصلاح مصارف بیجا کے متعلق یا ترتیب محفل کے متعلق یا قرینہ نشست کی باب میں ہو اور بعد اُسکے اُن سب مراتب اور اصلاح کے مطالب کو تحریر کرکے دستخط کر دیا کریں اگر ایسا کیا جائے تو میرا گمان ہے کہ رفتہ رفتہ بہت کچھ اصلاح ہو جائے اور اس عمل کا اثر اخلاق اور تمدن پر بھی ضرور پڑے اور کسی حالت میں ایسے عمل سے رونق بزم میں کوئی خلل نہیں پڑسکتا یہانتک میں نے معمولی قومی مجالس کی بابت گفتگو کی اب میں چند الفاظ اعتقادی محافل کے متعلق التماس کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ آپ سب جانتے ہیں کہ اعتقادی مجالس بڑے شوق اور آرزو سے منعقد ہوا کرتی ہیں۔ محافل میلاد میں عاشقان سرور کائنات بپاے سر حاضر ہوتے ہیں ذکر شہادت کے جلسوں میں محبان اہل بیت بہ تمنا شریک ہوکر یاد شہدائے کربلا میں آنسو بہاتے ہیں اس میں کوئی شک نہیں جو حضرات ایسی بابرکت محفلوں کا انعقاد کرتے ہیں اُنکی عالی ہمتی اور خلوص صرف زرکثیر اور مصروفیت سے بخوبی ظاہر ہوتی ہے اور جو صاحب شریک ہوتے ہیں اُن کا شوق

اور ولولہ بھی قابل ستایش ہے اس محل پر مجھکو اُن پُرفسانیت اختلافی مسائل کے بیان کی کچھ ضرورت نہیں جو فی الحقیقت اسلامی قوت کے پارہ پارہ کر دینے اور اہل اسلام میں تخم خصومت کے بونے کے باعث ہوئے ہیں۔

میں صرف اسیقدر کہنا کافی سمجھتا ہوں کہ باعتبار اعتقاد اور جوش محبت کے یہ مجلسیں فی نفسہ مہبط خیر و برکت ہوتی ہیں۔ میں بھی ایسے جلسوں میں شریک ہوا ہوں اور صادقان پرشوق کو ضبط رُباجوش کی بے تاب حالتوں میں پایا ہے۔ ایسی دلچسپ حالت کے متعلق اگر مجھکو افسوس ہے تو صرف اسقدر ہے کہ وہ خلوص اور جوش اُسی وقت معین تک محدود ہوتا ہے جب تک اُس موقع پر موجود رہتے ہیں جب چلے آتے ہیں تو پھر کچھ اثر باقی نہیں رہتا اور اُس کی وجہ صرف یہی ہے کہ ان مجلسوں میں محض واقعات کے بیان پر اکتفا کیجاتی ہے مثلاً مجلس میلاد مبارک میں ذکر پیدائش و معراج و وفات جناب سرور کائنات کا ہوتا ہے اور مجلس عزا میں ذکر سفر و معاملات اہل کوفہ اور مصائب کربلا کا بیان ہوتا ہے ان واقعات کے بیان سے اول یا بعد کوئی ایسا ذکر نہیں ہوتا جس میں ترک منہیات اور بجاآوری احکام مذہبی کے متعلق ترغیب ہو یا ہمدردی باہمی و دستگیری ضعفا کی بابت حوصلہ پیدا ہو حالانکہ یہ ضرور ہونا چاہیئے

اول اسوجہ سے کہ مثلاً مجلس میلاد منعقد کرنیسے جب کہ یہ غرض ہے کہ جناب خواجہ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی روح پر فتوح ہمارے حسن عقیدت سے

خوش ہو تو اس میں کچھہ شبہہ نہیں کہ اس عمل کے شامل کرنیسے اور زیادہ خوشی کا
باعث ہوگا کیونکہ جو احکام آلہی اُس برگزیدہ کونین کی وساطت سے اہل اُمت کو
پہونچے ہیں اُنکی ترویج و ترغیب جسقدر ہو اُسیقدر بہتر اور داخل حسن عمل ہے۔
خصوص اسوقت میں کہ علم دین اور علماء اُمت کم ہوتے جاتے ہیں کفر و بدعت
زیادہ پہیلتی جاتی ہے اور واعظان بے ریا حکم عنقار کہتے ہیں وہ وہم اسوجہ
سے کہ ذکر شہادت کی مجلسیں بہی اسی آرزو سے آراستہ کیجاتی ہیں کہ جناب سید الشہدا
کی رضامندی حاصل کیجائے پہر کیا یہ مناسب نہیں کہ ذکر شہادت کے اول یا بعد
باتفاق باہمی کوئی ایسی تجویز قرار پایا کرے جس سے ضعفا یا محتاجین کو کافی
فائدہ پہونچے تاکہ جناب ممدوح کی خوشنودی اور بہی زیادہ ہو۔ جہانتک میں
غور کرتا ہوں میرے خیال میں تدبیر متذکرہ صدر کا برتاؤ ایسے نازک وقت میں
جیسا کہ اب ہے لازمی ہوگیا ہے ایسے ہی عمل سے اُس خلوص کی تصدیق ممکن
ہے جو بڑے دعوے اور نمایش سے ظاہر کیا جاتا ہے۔ اے ابدی ہادی
اور سچے مددگار ہم پر رحم کر۔

نمبر (۱۸)

خیال خاص

حضرات ایک دو صاحبوں نے اپنا تردد مجھ سے اسباب میں ظاہر کیا کہ ہمارے ذاتی افعال میں اگر مشیت ایزدی کو دخل ہے اور ہمارے افعال اُس کے مطابق ظہور پاتے ہیں تو پھر ہمارے واسطے جزا و سزا کیوں رکھی گئی ہے اور جب کہ جزا و سزا کا ہم سے وعدہ ہوا ہے اور احکام اوامر و نواہی ہمارے واسطے صادر ہوئے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اپنے افعال میں ہم مختار ہیں۔ مشیت ایزدی کو ہمارے ذاتی افعال میں کچھ دخل نہیں۔ میں اسکے متعلق یہ بیان کرتا ہوں کہ یہ ایک بہت پرانا خیال ہے ہر ایک زمانہ میں لوگوں کے دلوں میں خطور کرتا رہا ہے اور آیندہ بھی کریگا۔ علمائے مذاہب نے ہر ایک زمانہ میں جوابات روشن دیئے ہیں اور دینگے میں نہ عالم ہوں نہ یہ مجلس بھی احکام کے بیان کے واسطے منعقد ہوئی ہے۔ میں اسوقت کے مناسب حال ضروری بات بیان کرسکتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ ایسے بے سود خیالات

کو فکر و تردد میں عمر عزیز کے بے بہا وقتونکو ضائع کرنا اُن کاہل پسند بہانہ طلب
طبیعتونکا کام ہے جو آخر کار کفِ افسوس ملنے کے لائق رہجاتے ہیں۔
ہم کون ہیں جو ایسے باطنی تعلقات قدرت کے واسطے ظاہری شہادتیں اور
ثبوت تلاش کرتے پھریں۔ کیا ہمارے علم و تحقیق نے تمام و کمال غوامض
قدرت کے دریافت کرنیسے فرصت پائی صرف ایک یہی امر باقی رہگیا ہے کہ بدون
اس کی تحقیق کے ہمکو تعمیل احکام نہ کرنا چاہیئے باایں ہمہ ہمکو اس امر کی تحقیق کی
ضرورت کیا ہے ہم مخلوق ہیں محکوم ہیں اور کسی مخلوق و محکوم کو یہ منصب
حاصل نہیں ہوتا کہ حاکم کے مصالح اختیاری سے بحث کرے اور اپنی تعمیل حکم
کو اُسکے معلوم کرنے پر منحصر رکھے۔ ہماری فہم عالی کی تو یہ حقیقت ہے کہ ابھی
تک ہم یہ بھی نہیں سمجھے کہ ہمارے جسم عنصری میں یہ کون سرگرم کار ہے کہانسے
آیا ہے کیا ہے کہاں جائیگا۔ ہمارے ارادونکی تحریک کہانسے پیدا ہوتی ہے
کیونکر ہمارے اعضائے ظاہری احکام باطنی کی تعمیل کرتے ہیں۔ جہانتک
میں غور کرتا ہوں ہمکو یہ غور کرلینا کافی ہے کہ ہرگاہ قدرت نے اپنی مصلحت
سے ہمکو یہ علم نہیں دیا کہ ہم مختار ہیں یا مجبور ہیں اور باایں ہمہ ہمکو تعمیل احکام کا حکم اور
قوت اور عقل اور اعضا عنایت کئے تو ایسی حالت میں ہمارے لئے یہی بہتر
ہے کہ ہم بخوشی خاطر تعمیل احکام کریں اور اگر بدقسمتی سے ہمارے دل سے یہ
خدشہ نہ جائے کہ شاید ہم مختار افعال گردانے گئے ہیں تب بھی ہماری نجات کا

سیدھا رستہ یہی ہے کہ تعمیل احکام کریں تعمیل احکام کرنے کی حالت میں ہر ایک
طرح ہمارے ہاتھ بازی رہیگی۔ اس دلیل سے کہ تعمیل حکم کرنے میں ہم مجبور اس
امر پر ہونگے کہ نیک کام کریں اور بد افعال سے بچیں۔ پس نیک کاموں کا بدلہ
ہر ایک حالت میں عمدہ ملیگا۔ اور بد افعال کا نتیجہ ہر ایک صورت میں بُرا ہوگا۔
جبکہ یہ حال ہے تو ہمکو ایک یہ امر کہ آیا ہم مختار ہیں یا مجبور ہیں معلوم ہوا تب کیا ہے
اور معلوم نہوا تب کیا ہے اب میں یہ بیان کرتا ہوں کہ ہم دنیا میں دیکھتے ہیں جب کوئی کاریگر کسی شے
کے بنانیکا ارادہ کرتا ہے تو پہلے اُس شے کی نسبت یہ ضرور قرار دے لیتا ہے
کہ وہ شے کس مدت تک قائم رہیگی اور اُس سے کیا کام نکلینگے جب تک اس
امر پر کامل غور و فکر نہیں کرتا تب تک بنانیکا ارادہ ہی نہیں کرتا جب کہ دنیا کے
کاریگروں کا یہ حال ہے تو اُس صانع حقیقی نے کیونکر اپنی مصنوعات کی انتہائی
حالت تک نظر نہ فرمائی ہوگی کب ممکن ہے کہ ہمارے افعال و عادات میں
مقدرات الٰہی کو دخل نہو یہ بھی ظاہر ہے کہ اکثر اوقات پیشین گوئیاں حرف بحرف
صادق آتی ہیں۔ ایسی حالت میں آثار و علامتیں آنیوالی اشیا کی پیش از ظہور
ظرف مکان میں اگر اپنا عکس نہیں ڈالتیں تو کیونکر پیشین گو ایک واقع کو پیش از وقوع
بیان کر دیتا ہے اور اُسکا ظہور مطابق بیان کے ہوتا ہے جب کہ ایسا ہے تو
ہم کیوں خیال نہ کریں کہ مشیت الٰہی سے امور کائن اول غیب میں مہیا ہو جاتے
ہیں پھر ظہور پکڑتے ہیں اگر یہ کہا جائے کہ ہر گاہ امور کائن اور ہمارے افعال و

عادات میں قدرت موثر ہے تو ہم مستحق جزا و سزا کیوں ہیں کیا خدا نا کردہ خداوند جلیل کا یہ جابرانہ فعل ہے نعوذ باللہ منہ تو میں کہہ سکتا ہوں کہ یہ خیال محض غلط ہے ایسے سوالات کا شافی جواب علمائے مذاہب نے ہمیشہ عمدہ دیا ہے اور دینگے میں حاضرین وقت کے مناسب حال یہ بیان کرتا ہوں کہ اول لفظ جبر کے معنی کی صراحت کرنا چاہیئے لفظ جبر یا لفظ جابر کے بیان کرنے کے وقت سائل کے ذہن میں اُن تکلیفات کا عکس ہوتا ہے جو بُرے افعال کی پاداش میں کسی مجرم کو پہونچتے ہیں اسی وجہ سے اس تکلیف کا دھیان کرکے وہ اُس تکلیف کو بُرا اور جسکے ارادہ سے وہ تکلیف پہونچی ہو اُسکو جابر خیال کرتا ہے حالانکہ تکلیف اور راحت کا اثر ایک نسبتی اثر ہے ہر ایک ذیحیات اُس اثر یا فعل کو بُرا کہتا ہے جو اُسکے مزاج اور موجودہ حالت کے خلاف ہو ورنہ فی الحقیقت خالق الآثار کے نزدیک دونوں کی حقیقت یکساں ہے فرض کرو ایک شراب پیئے ہوئے حار مزاج جوان آدمی کو ٹھنڈی ہوا نہایت سرور بخشتی ہے وہ اُسکو بمنزلہ بہشت کے حاصل حیات سمجھتا ہے اور وہی ٹھنڈی ہوا ایک مرطوب بوڑھے آدمی کو ایسی تکلیف رساں ہے کہ وہ اُسکو دوزخ کی تکلیفات سے نسبت دینا پسند کرتا ہے ایسی حالت میں اسکا فیصلہ کیا ہو سکتا ہے کہ وہ شئے بُری ہے یا بھلی - ہم ثابت کر چکے کہ اچھی اور بُری اشیا کا ہمارے ساتھ ایک نسبتی اثر ہے ہم اپنے موافق شئے کو اچھی اور مخالف کو بُری کہتے ہیں ایسی حالت

میں جبکہ ہمارے مفہوم کی غلطی ہے تو ہم نفس شئے و نفس اثر شئے کو حقیقی برائی یا بھلائی کے ساتھ منسوب نہیں کرسکتے اور نہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ خالق الاشیاء نے بری چیزیں یا تکلیفات کیوں پیدا کیں مثلاً ایک باغبان نے اپنے باغ میں سب طرح کے درخت لگائے اُن میں کڑوے اور کھٹے اور میٹھے پھل پیدا کئے اور سیاحوں کو اُن اثمار کے مزے اور خواص بھی بتلا دیئے اور راہیں بھی بیان کردیں پس بعض اُن سیاحوں میں سے میٹھے پھلوں کی طرف راغب ہوئے اور دوسرے ساتھیوں کو بھی اُسی طرف بلایا دوسرے ساتھیوں میں سے جو لوگ اُنکے ساتھ گئے یا اُنکے بلانے پر گئے اُنہوں نے خوش قسمتی سے شیریں اور لذیذ پھل کھائے اور جو لوگ کڑوے اور کھٹے پھلوں کی طرف گئے اُنہوں نے وہ بدمزہ پھل کھائے - بعد میں پھر جو لوگ کھٹے اور تلخ پھلوں کے چکھنے کے بعد میٹھے اور شیریں اثمار کی تلاش میں پھر آئے وہ شیریں کام ہوئے - جن لوگوں نے انہیں تلخ اور ترش پھلوں پر بسر کی اُنکو ہمیشہ تلخکامی نصیب رہی - غور کرو مالک باغ نے تو اپنے باغ میں اپنی مصلحتوں کے مطابق سب قسم کے درخت لگا دئے اور خواص اُنکے بتا دیئے اور باعتبار اسکے کہ وہ سب اشجار مالک باغ کی ملکیت میں ہیں اُن میں ہر ایک شجر کو عام اس سے کہ وہ شجر اچھا ہو یا برا باغ کے مالک کے ساتھ باعتبار ملکیت ہونے کے یکساں نسبت ہے کیونکہ ہر ایک شجر کو اُسنے اپنی مصلحت کے مطابق

لگایا ہے جب کہ ہمکو باغ کی سیر کی اجازت دی گئی ہے تو ہماری تلاش اور ہمت پر منحصر ہے ہم جیسے شجر کے پاس جائینگے ویسا ہی پھل پائینگے اب میں مناسب وقت چند اشعار پڑھتا ہوں جو میں نے آج ہی لکھے ہیں۔ ؎

الٰہی خاطرِ مجروح کو مرہم عنایت کر
نہو جس کی نہایت ایسی رحمت کی ہدایت کر
قتیلِ یاس صرفِ رقصِ بسمل ہے حمایت کر
مرا خود تو ہی ہادی بن مجھے تو ہی ہدایت کر

گدائے پیشہ ور سے شاہ کا کوچہ نہیں چھٹتا
نگاہِ شوق سے دیدار کا چسکا نہیں چھٹتا

مری فریاد برسوں گنبدِ گردوں میں گونجا کی
اثر کو آہ میری تا فضائے عرش ڈھونڈا کی
صدائے بازگشتِ گنبدی کانوں میں آیا کی
لبِ تشنہ مئی گور فضلِ حق کو تاکا کی

خُمِ رحمت کو جھک جھک دیکھتی ہے چشمِ پیمانہ
ز فیضِ خدا پر صرف پاکوبی ہے دیوانہ

خداوندا زبانِ شوق کو جوشِ طلاقت سے
کرے ہمسری جبریل وہ پشہ کو ہمت دی
نحیف خستہ جاں کو رستم و دستاں کی طاقت دی
گدائے بے سروپا کو شہنشاہانہ شوکت دی

روانِ قطرۂ ناچیز ہو دریا کے جوشوں پر
سبق لیجائے طفلِ نارسیدہ تیز ہوشوں پر

تمنا ہے ترے آثارِ قدرت کو بیاں کیجئے
زمینِ شعر کی رفعت بڑھا کر آسماں کیجئے

ضیائے فکر سے اس رات کو انجم فشاں کیجئے
مکان کو چھوڑیے کچھ دیر سیر لامکاں کیجئے

عجب اللہ نے بخشا اثر معجز بیانی کو
وہ اترے آتے ہیں جبریل میری ہمزبانی کو

الٰہی تیری مدحت کس لئے کیا فکر کیجائے
تمنائی کی جیب آرزو کسطرح سے جائے
کہاں ہے دوسرا جس سے تری تشبیہ دیجائے
شراب اشتیاق حمد کن ہونٹوں سے پی جائے

ترے جویا کو ملسکتا ہے تجھسا دوسرا کیونکر
بد مخلوق پائے زور بازوئے خدا کیونکر

سمک سے تا سما چکر لگائیں بانئ مکاں کا
پھریں راہ طلب میں عمر بھر کیا ہے ہو سکتا
مکرر دیکھ لیں پڑتال لیں دنیا و مافیہا
تصور جسکا دل میں لائیں ہم خالق ہے تو اسکا

جہاں دیکھو وہاں اقرار ہے تیری خدائی کا
ہر اک موجہ نشاں ہے بحر تری کبریائی کا

جلیل بندہ پرور تو توانا ہے یگانہ ہے
ترا بذل کرم نا منقطع ہے جاودانہ ہے
ترے باب کرم پر جبہ فرسا سب زمانہ ہے
سوا تیرے جو کچھ ہے خواب ہے یا اک فسانہ ہے

فنا کی سیل کی موجوں میں ہر ممکن کی ہستی ہے
یہاں پایندہ دریا ہے نہ صحرا ہے نہ بستی ہے

مٹے لاکھوں شہنشاہان عالیجاہ ہو ہو کر
پئے سودا جو نقد عمر لائے تھے گئے کھو کر
سرائے دہر میں شب آ کے رہ کے چلدیے سو کر
وہی پھل پائینگے وہاں جو گئے ہیں بیج یاں بو کر

کتاب دہر کا ہر صفحہ ان ناموں سے رنگیں ہے
جہاں دیکھو نیا دعوی نیا آئین نیا دیں ہے

ہزاروں نازنیں صدہا پری رو خوش ادا لاکھوں
ادا فہمان عرفان انبیا و اولیا لاکھوں

کروڑوں فلسفی از بس محقق رہ نما لاکھوں
خدا جویان حق بیں صوفیان باصفا لاکھوں

معین وقت پا کر چلتے اپنی اپنی راہوں سے
تجھے تکتے ہوئے امیدوارانہ نگاہوں سے

اُسے کیا غم ہے جس کا یار با خدا تو ہو
مرا ہادی مرا مونس ہو میرا غم ربا تو ہو

اُسے کیا خضر سے مطلب ہے جسکا رہنما تو ہو
جو ہونا چاہئے وہ ہو نہ کیوں مجھسے کیا تو ہو

طلب میں تیری سب پھرتے ہیں تو مطلوب عالم ہے
تو ہی مقصود عالم ہے تو ہی محبوب عالم ہے

پئے صنعت تو کچھ اسباب کی حاجت نہیں رکھتا
نہ تو تکمیل صنعت کے لئے پابند مدت کا

نہ اشیا کے بنانے کو تجھے آلات کی پروا
ترے آہنگ قدرت میں جو کچھ آیا سو ہو گذرا

خداوندا زمین و آسماں کیا بات ہے تیری
نرالے ڈھنگ ہیں تیرے نرالی ذات ہے تیری

بڑے استاد نے مجھکو سکھایا ہے فن حکمت
مادہ کون کیسی روح کیسی عقل کیا قوت

مرا ایمان ہے پکا نہیں ہیں منکر قدرت
فقط تیرا ارادہ ہے ہر اک معلول کی علت

اشاروں میں یہاں عالم کے عالم بنتے مٹتے ہیں

فروش خلق صحن بو میں بچھتے سمٹتے ہیں

کوئی ہو منکر قدرت تو سمجھائیے ذری آکر — کہ خاک و باد و آب و نار پیدا ہو گئے کیونکر
یہ کس شی سے بنے اور کیوں جگہ پائی نرالی اوپر — سبب کیا ہے کوئی ہے خشک انہیں اور کوئی تر

بنائی خاک کس نے ٹھوس کیوں سیال ہے پانی
ہوا کس موجب سے روشن عذار نار نورانی

خرد کس نے بنائی اور قوت کس نے پیدا کی — کوئی مخزن تھا انکا یا کہ قدرت سے ہویدا کی
نباتی جنس میں نشو و نما کیونکر مہیا کی — عنایت کی نبش سے سست طینت کو یہ چالاکی

اولی العزمی سے جو گردوں تلک پیوند لگاتا ہے
در مقصود کو دریا کی تہ سے ڈھونڈ لاتا ہے

کہاں سے آئیں یہ کھلیاں قنا خوباں ہیں — جو محشر خیز چالیں چلتے ہیں گلزار امکاں ہیں
بہار آتی ہے کسکے فیض رحمت سے گلستاں میں — کہانسے پھول خوشبو لاتی ہیں ہر گو داماں میں

گھٹائیں کالی کالی کون برساتا ہے گلشن پر
بچھایا کسنے فرش مخملی صحرا کے دامن پر

سر ایام پر رکھا ہے کسنے نور کا مغفر — کہانسے پائی ہے فرق لیالی نے سیہ چادر
بہ شرق و غرب کیوں ہنستا ہے مہر و ماہ کو چکر — یہ کسنے منطقہ ترچھا لپیٹا دوش گردوں پر

بنے کیونکر ثوابت کیسے سیارے بنائے ہیں
یہ کس شے سے بنے کس ہاتھ نے سارے بنائے ہیں

تغیر کیلئے عالم کو ہے کیا اس میں حکمت ہے
متغیر کون ہے جو اسقدر با علم و قدرت ہے
بدلتا ہے زمانہ رنگ ہر دم کیسی حیرت ہے
تصرف جسکا ہے ہر چیز میں ہر شے پہ قدرت ہے

یہی پاتے ہیں ہم جب جانگاہ غور جاتی ہے
ہر اک شے بنتی ہے بڑھتی ہے گھٹتی مٹتی جاتی ہے

قسم اُس ذات اقدس کی فدا ہے میری جاں جس پر
اگر ہم سب کے سب افراد عالم ہوں ثنا گستر
یہ سب کچھ ہے اک ادنیٰ سا ظہور قدرتِ داور
ازل سے تا ابد ہر موئے تن سے صد زباں ہو کر

بیاں ہو وصف اک شمہ نہ اُس سرکار عالی کا
کہاں تک دائرہ پھیلے گا میدانِ خیالی کا

جلیلِ بے نیاز پاک داور بندہ تیرا ہوں
کیا کیا ہے جو کچھ مانگوں میں کس گنتی میں ہوں کیا ہوں
شکستہ دل قتیلِ یاس ہوں بالکل نکما ہوں
فقیر بدسلیقہ ہوں گدائے بے سر و پا ہوں

نگاہیں روبرو ہوتی نہیں فرطِ ندامت سے
مگر سنتا ہوں دعوی ترے لبہائے رحمت سے

الٰہی احمدی ہے منتظر بابِ کرم وا ہو
تری قدرت کے قرباں لطف ہو گر یہ تماشا ہو
کسی سے مجھکو کیا مطلب ترا ہو لے تو میرا ہو
حضوری میں کہوں میں اور دل تو جلوہ فرما ہو

پیاپے برسے ابرِ فضل ہر ساعت گھٹا اٹھے
اجابت لینے آئے جب مراد دستِ دعا اٹھے

نمبر (۱۹)

ہمتِ مردانہ

آ ہمتِ مردانہ جگر میں تری جا ہے
تو ہو مرے ہمراہ تو پروا مجھے کیا ہے

مت آنکھ چرا مجھسے اگر شرطِ وفا ہے
سایہ ترے شہپر کا بہ از بالِ ہما ہے

تو فضلِ الٰہی کی نشانی ہے جہاں میں
ہر بزم میں چرچا ہے ترا کون و مکاں میں

احباب اٹھو ہمتِ مردانہ وہ آئی
اب پھینک دو کچکولِ گدایانہ وہ آئی

ہمراہ لئے شوکتِ شاہانہ وہ آئی
کس ٹھاٹھ سے آتی ہے عروسانہ وہ آئی

مردوں سے تو ملنے میں اسے عار نہیں ہے
نامرد سے البتہ سروکار نہیں ہے

ہم مرد توانا ہیں کوئی چیز نہیں ہیں
آزاد ہیں پابستۂ دہلیز نہیں ہیں

دنیا میں گئی گزری ہوئی چیز نہیں ہیں
سل بٹہ سے پس جائیں وہ کشنیز نہیں ہیں

کیوں بحر حمیت نہ بہت جوش میں آئے
جب ہمت مردانہ خود آغوش میں آئے

اب کام جو کرنا ہے وہ مردانہ کرینگے
محنت سے علاجِ دلِ دیوانہ کرینگے

ہر حال میں برتاؤ شجاعانہ کرینگے
اندوہ کی تکلیف کی پروانہ کرینگے

رہتا نہیں اندوہ جہاں حسن عمل ہے
مردوں کی بلا دور یہ مشہور مثل ہے

ہم مرد ہیں غیر دنکا سہارا نہیں لیتے
جو شیر ہیں صید اور کا مارا نہیں لیتے

پیراک ہیں دریا کا کنارا نہیں لیتے
ہو آہوِ مشکیں کہ چکارا نہیں لیتے

لالچ کی نگاہوں سے نظر تنگ نہیں کرتے
اس راہ دنائت سے گذر تنگ نہیں کرتے

ہم مرد ہیں محنت سے کبھی جی نہ چرائیں
بیکار نہ بیٹھیں کبھی بیکار نہ جائیں

اوقات معین ہیں ہر اک کام پر آئیں
ہمت یہ رہے دوسرے دنکا ہاتھ بٹائیں

مفلس ہوں تو کچھ غم نہیں ہمت ہے عالی
بلّور سے بہتر ہے مرا جام سفالی

ہے نانِ جویں نرم و مزعفر سے زیادہ
ٹوپی ہے مری تاجِ سکندر سے زیادہ

کمل ہے مرا خلعتِ پُر زر سے زیادہ
وسعت مرے گھر کی مجھے کشور سے زیادہ

ہے دولتِ جاوید پسینے کی کمائی

آئینہ سے اعلیٰ ہے دل کی صفائی

ہم دولتِ قارونکے لئے جھوٹ نہ بولیں
اور ملک فریدونکے لئے جھوٹ نہ بولیں
عشقِ لبِ میگونکے لئے جھوٹ نہ بولیں
یا دِ قدِ موزونکے لئے جھوٹ نہ بولیں

اندوختۂ غیر کو چھونے سے غرض کیا
مردونکے لئے خواہشِ بیجا کا مرض کیا

اک دانہ میسر ہو تو ہم بانٹ کے کہائیں
افسردہ لیمونکی طرح مُنہہ نہ چھپائیں
محسن رہیں احسان کسی کا نہ اُٹھائیں
لینے کو ہیں بس ہیں ضعیفوں کی دعائیں

عمر یست دلِ نازکم ایں ولولہ دارد
نامردی و مردی قدمے فاصلہ دارد

جو مرد ہیں رشوت نہیں لیتے نہیں دیتے
یہ مرد و نائت نہیں لیتے نہیں دیتے
کونین کی نکبت نہیں لیتے نہیں دیتے
انصاف کی قیمت نہیں لینے نہیں دیتے

رہتے ہیں ہر اک حال میں انصاف کی پابند
آئینہ کی صورت ہیں دل صاف کے پابند

کاہل نہیں طامع نہیں نامرد نہیں ہم
بیکار پڑے رہنے سے دل سرد نہیں ہم
دیں اور کو تکلیف وہ بیدرد نہیں ہم
ہیں مرد جفاکش کوئی شب گرد نہیں ہم

محنت میں جو پابندیِ اوقات کرینگے
کسواسطے پھر ایسے خیالات کرینگے

بیکار وہ دن زیست کے دنیا میں گزارے
یا یہ کہ گیا ہو یم ہستی کے کنارے

محتاج جو ہو جائے کسی درد کے مارے
کچھ کر نہ سکے قوت بازو کے سہارے

مردان اولی العزم تو بیکار نہ بیٹھیں
اوروں کے بھروسے پہ زناں وار نہ بیٹھیں

کیا ناز ہے ہم خود تو یہ دو پا نہ ہلائیں
صد حیف ہے غیرت کو اگر کام میں لائیں

اوروں کی مشقت سے جو پیدا ہو وہ کھائیں
اک چلو بھرے پانی میں کیوں ڈوب نہ جائیں

وہ کونسا عقدہ ہے جو وا ہو نہیں سکتا
ہمت کرے انسان تو کیا ہو نہیں سکتا

پابندی ناموس ہے کار اہل حیا کا
لغزش نہیں کرتا قدم ارباب صفا کا

نگرانیِ افعال ہے شیوہ عقلا کا
انداز پسندیدہ ہے مردانِ خدا کا

ہر صورت خوش دیکھ کے کرتے نہیں آہیں
قبضے میں جگر رکھتے ہیں قابو میں نگاہیں

ہر چال کے وارفتہ و شیدا نہیں ہوتے
در در صفت نقش کف پا نہیں ہوتے

ہر شوخ سے سرگرم تمنا نہیں ہوتے
ہرجائی نہیں بنتے ہیں رسوا نہیں ہوتے

دل پر بھی نہ قابو ہو تو مردانگی کیا ہے
اتنی بھی نہ ہو عقل تو فرزانگی کیا ہے

منکوحہ گل اندام سے عشرت نہ کریں کیوں
ہیں جن کے لئے اُن سے محبت نہ کریں کیوں

خود لائے جنہیں بیاہ کر الفت کریں کیوں
مطلوب رضا جو سے مروت نہ کریں کیوں

مجبور پھریں کسلئے ان سیم تنوں سے
جادو نظروں حور وشوں گلبدنوں سے

یہ صاحب عصمت یہ وفادار یگانہ
آنکھوں میں حیا دل میں ادب طرز بتانہ
یہ زینت ایواں یہ رونق دہ خانہ
بیجا نہ تبسّم نہ تکلّم نہ ترانہ

ہمراہ رہیں تا نفس باز پسیں یہ
ہم شاد تو یہ شاد حزیں ہم تو حزیں یہ

مردان خدا آؤ کریں عہد بہم ہم
بیکار نہ ہوتے پھریں ہر بزم میں خم ہم
اب کیوں رہیں وابستۂ زنجیر الم ہم
محنت کریں ہو جائیں فردی المجد کرم ہم

جو ڈھونڈتے ہو دور وہ نزدیک ملیگا
دیکھو یہ تعمق تو یہیں ٹھیک سے ملے گا

اے خالق اکبر مجھے توفیق عطا کر
نالے کو مرے اپنی حضوری میں رسا کر
باندھوں میں کمر تیری رضا پر سجھے پا کر
رفعت دے مجھے خاک مذلت سے اٹھا کر

تجھسے ہی ترا احمدی امداد طلب ہے
فریاد کناں در پہ ترے داد طلب ہے

———(۞)———

نمبر (٢٠)

آسائش حقیقی

یارانِ باصفا آج میں اس مسئلہ کے متعلق بقدرِ گنجائش وقت کچھہ
عرض کرتا ہوں کہ انسانی ہستی کی علتِ غائی کیا ہے انسان کیوں پیدا ہوا
اور اُسکے ضروری فرائض کیا ہیں چونکہ یہ مسئلہ سخت مشکل اور حقیقت حقہ کا علم بجز
اُس بے مثل ازلی و ابدی کے جسکا صرف آہنگ قدرت خلاق الاشیا ہی
ہر بشر کو ایسا نہیں دیا گیا جسکو قطعی سمجھہ لیا جائے کیونکہ اوج معلومات پر رفعت
حاصل کرنے کے وسائل یا زینتی جو کچھہ نام رکھا جائے یہی مقررہ تاویلات
ذہنی یا مروجہ قیاسات و مانعی ہیں جو ذہنی یا کسبی طور پر ہمکو حاصل ہوئے ہیں لیکن
اس سے یہ نتیجہ نہیں نکالا جا سکتا کہ ہم اس مذبذب حالت معلومات سے گھبرا کر
غور و فکر کی عادت کو خیرباد کہکر ابلہانہ فراغ بالی حاصل کریں یا اپنے حق میں یہ
بدفالی کریں کہ ہمارے آئینۂ تصورات میں صورِ حقہ عکس افگن ہی نہونگی۔ ہم ادراک
حقیقت واقعی سے نا امید نہیں ہیں خاص خاص وقتوں میں ہمارے کان سے

اُس ٹیلیفون کا سرا ملجاتا ہے جو فضائے قدرت کے غیر متناہی بُعد تک چلا گیا ہے۔
اگر میں غلطی پر نہیں ہوں تو میرے خیال میں انسانی ہستی پر تین حقوق کا بار ہے جسکو
راستبازی کے ساتھہ ادا کرنا حیاتِ دنیا میں فرض خیال کیا جاسکتا ہے۔ اول
حقوق خالق دوم حقوق مخلوق سوم حقوق ذات خود۔ حقوق خالق اُس
کے پایہ اور اندازہ سے لائق ادا ہونا ممکن نہیں کیونکہ ادائے حق کے لئے لازمی
شرط قواعد عرفیہ میں یہ ہونا چاہئے کہ اگر کوئی محسن اپنی ذات خاص پر احسان کرے
تو اس احسان کے معاوضہ میں کوئی ویسا ہی احسان یا احسان کی قیمت یا قیمتی
خدمت ادا کیجائے ایسی حالت میں عطیات الٰہی کا معاوضہ کرنا یا اُسکی کوئی قیمت
ادا کرنا یا خدمت سے بدلا کرنا تو محض ناممکن ہے کیا معنی کس کس انعام خداوندی
کا شمار کیا جائے اور کس نعمت کا کہانسے معاوضہ کیا جائے ہم اپنی قوت اپنی
صحت اپنے حواسوں اپنے اعضا کے عوض میں کیا پیش کر سکتے ہیں۔
خوشگوار پانی یا حیات افزا ہوا کا کیا بدلہ ہوسکتا ہے اگر میں یا کوئی شخص اُن
غیر متناہی نعمائے ایزدی کی بیشمار تعداد کو سرسری نظر سے بھی جانچنا یا موازنہ
کرنا چاہے جو اس ناتمام فانی مگر انسانی ہستی کے واسطے وفور رحمت سے
گویا ہردم برسائی جاتی ہیں تو کیا ذہن ہمارا ان میں عشر عشیر پر بھی مطلع
ہوسکتے ہیں اگر نہیں تو کیا ایسے معطی اور ایسے واہب کا یہ حق نہونا چاہئے
کہ اُسکے یگانہ ہستی کا بلاشرکت غیرے اقرار کریں اور دل سے سمجھیں کہ ان نعماکی

عنایت فرماتے ہیں اُس بے مثل و نظیر کا کوئی سہیم و شریک نہیں ہے اور اپنے
سچے ارادے اور بے لوث دل سے ہر روز اول اُسی کی حضور میں عاجزانہ اور
صادقانہ سجدات عبادت بجالائیں اور ایسے سجدات کے وقت آئینہ خاطر میں نہ
کسی عنصر کا عکس پڑے نہ ستارہ کا ہشتر سمائے نہ ملک انصاف بالائے طاعت ہو
جبکہ یہ امر مسلم قرار پاچکا کہ سب نعمتیں خاص خدا کی عنایت کی ہوئی ہیں وہی خلاق الاشیا
ہے کسی دوسرے کی شارکت اس عطیہ میں نہیں ہے باایں ہمہ اگر ہم اوس معطی کا احسان نہ
مانیں یا اُسکے احسان میں کسی دوسرے کو سہیم و شریک سمجھیں تو گویا ہم نے
حقوق خالق پر بدنیتی کے ساتھ پردہ ڈالنا چاہا اور اپنا نام اُن بدنصیب خائن غاصبوں
کی فہرست میں لکھایا جو کبھی فلاح نہیں پا سکتے ہماری گردن پر بیشک اُس بے مثل
فیاض کا ان لاتعداد اکرام و عطیات کے ہوتے ہوئے یہ حق ہے کہ ہم ہر روز
اپنے بستر خواب سے جدا ہونیکے بعد دلی آرزو سے اول جس کام کو شروع
کریں وہ اُسی ازلی ابدی کی بے ریا عبادت ہو اور جب اپنے کاروبار معیشت
میں مصروف ہوں تو ہمارے دل کا رُخ قطب نما کی طرح اُسی طرف ہو۔

دوسرا حق ہم پر اُس مخلوق کا ہے جو ہماری زندگی کے زمانے میں
ہمارے ہمعصر ہو۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ لفظ مخلوق کے استعمال
ہونیسے ہمارے تعلقات کا رشتہ اشیاء عالم کی غیر محدود تعداد تک
پہونچ سکتا ہے پھر کیا کوئی بشری قوت ایسے بار کا تحمل کر سکتی ہے میں چند

الفاظ میں اسکا جواب دیتا ہوں وہ یہ ہے کہ لفظ مخلوق بقید ہمعصر استعمال کرنیسے گو کسی درجہ تک تعلقات کو وسعت ہوتی ہو لیکن بقدر طاقت ہم اُسی بوجھہ کی برداشت کرنیکو مامور ہیں جسکا تعلق ہمسے کیا گیا ہے یا جہانتک ہماری رسائی ممکن ہے جو زمین ہمارے قبضہ میں ہو ہمپر اُسکا حق ہے کہ ہماری کوشش سے وہ آباد اور پر رونق ہو جس قوم میں ہم پیدا ہوئے ہوں یا جن لوگوں سے تعلقات ہوں اُنکا ہمپر حق ہے کہ بقدر امکان انصاف کی پابندی کے ساتھہ اُنکی مدد یا خدمت کریں فیض قدرت ہمارے تعلقات میں جسقدر وسعت بخشتا جائیگا اُسیقدر بار کی برداشت کرنیکی ذمہ داری بڑہتی جائیگی ہمارے ابنائے جنس میں تین درجے کے افراد سے ہمارے تعلقات ہیں ایک وہ افراد جو ہمسے بڑے ہیں اگرچہ ان افراد کے خاص خاص حقوق جداگانہ ہی بقدر اُنکے مدارج کے ہیں لیکن حقوق عام میں وہ سب افراد یکساں مشترک ہیں ان افراد کے حقوق عام ایک ادب اور دوسرا اطاعت ہے بڑے افراد کی حد میں ہمارے بزرگان مذہب بزرگان خاندان سلاطین وامرا اُستاد اتالیق ادیب اور سب وہ لوگ جو ہم سے درجے میں بڑے ہیں شامل ہیں اُن میں ہر ایک فرد مستحق ہے کہ ہم بقدر اُسکے درجہ اور اُسکے حق کے ادب واطاعت کریں دوسرے وہ افراد جو ہمارے برابر ہیں اُنکا ہمپر حق ہے کہ ہم اُنکے ساتھ خوش اخلاقی اور محبت سے پیش آدیں - ان افراد میں سب وہ لوگ داخل ہیں جو

عمر یا علم یا عزت یا قوم یا پیشہ میں ہمسے درجہ مساوات کا رکہتے ہیں تیسرے وہ افراد ہیں جو ہمسے چہوٹے ہیں اُنکا حق ہے کہ ہم ہمیشہ اُنکے ساتہہ بقدر مناسب شفقت اور مدد سے پیش آتے رہیں ان افراد میں وہ سب لوگ شمار کئے جاتے ہیں جو درجہ یا عمر یا قوم یا عرف میں کم تعبیر کیے جاسکتے ہیں۔ تیسرا حق ہمپر اپنی ذات خاص کا ہے یہ چند روزہ مہمان جو اس کاشانہ عنصری میں جلوہ افروز ہوا ہے یہ بہی حقوق خاص رکہتا ہے اسکے حقوق کے امتیاز اور قرار داد میں اعتدال قائم کرنا ایک نہایت نازک معاملہ ہے اکثر اُس میں افراط تفریط ہو جانے سے بڑے بڑے نقصان عائد ہوتے ہیں بعض طبیعتیں اُسکے حقوق سے بے پروائی کر کے اُسکو سراسر محنتوں اور آلام کا نشانہ بنادیتی ہیں جیسے بعضے وہ خسیس تاجر جو اپنے اکثر اوقات عمر کو حصول دولت کی دہن میں صرف کرین مگر اُس محنت سے جو مال و دولت نصیب ہو اُس سے کوئی آسائش دنیوی یا نفع اُخروی کچہہ بہی حاصل نہ کریں اور بعض طبیعتیں اُسکے حقوق کے موازنہ کرنے میں نہایت مبالغہ کرتے ہیں جیسے اکثر خودغرض عیاش خیال کرتے ہیں کہ دنیا میں ہر ایک فائدہ پانے کے واسطے بذات خاص ہم ہی مستحق ہیں کوئی دوسرا شخص مثل ہمارے حق نہیں رکہتا اور اسوجہ سے وہ اپنے اندوختوں کو اپنی ہی خواہشوں پر تصدق کردینا بہتر سمجہتے ہیں لیکن تجربہ شاہد ہے کہ سچے اور سیدہے مسلک سے جسقدر تجاوز

کیا جاتا ہے اُسیقدر نقصان اُٹھانا پڑتا ہے اگرچہ ہمارے ہوشیار اور متنبہ کرنے کے لئے قدرتی واقعات اور لازمی نتائج وقتاً فوقتاً ہمکو مثل ناصح مشفق کے زبان حال سے ہر قدم پر ٹوکتے ہیں مگر ہم جس خیال میں مصروف ہوتے ہیں اُسی میں محو ہو جاتے ہیں کسی نتیجہ اور کسی ٹوک کی پروا نہیں کرتے ہم اپنی بے اعتدالیوں کے لازمی اثر مترتب ہوتے دیکھتے ہیں مگر ذرا نہیں چونکتے طرفہ اُسپر یہ ہے کہ اپنے خیال شوق میں جب کسی بے اعتدالی سے کوئی تکلیف اُٹھاتے ہیں تو اُس حالت میں بھی اُس بے اعتدالی کو قائم رکھنا چاہتے ہیں صرف اُسکے نتیجہ لازمی کے بدلنے کا علاج دریافت کرتے پھرتے ہیں اور جب کچھ علاج نہیں ملتا تو قدرت کی شکایت کرتے ہیں مگر نہیں سمجھتے کہ اُسکا علاج بے اعتدالی کے ترک کے سوا اور کچھ نہیں ہماری ذات خاص کا ہمپر یہ حق ہے کہ ہم حقیقی عزت اور آسائش پاویں مگر یہ اُسی حالت میں ممکن ہے جبکہ ہم نہایت احتیاط سے اپنے افعال پر قابو حاصل کریں اور نہایت منصفانہ طریقہ سے اسپر بالاستحکام قائم رہیں سب سے اول ہمکو ضرورت ہے کہ ہماری محنت و آسائش کا پلہ برابر رہے بالبداہت ثابت ہے کہ ہر ایک محنت عام اس سے کہ وہ دین کے کام میں کیجائے یا دنیا کے صرف اس غرض سے کیجاتی ہے کہ اُسکے صلہ میں آسائش نصیب ہو پس ہمکو لازم ہے کہ ہم اپنی محنتوں اور آسائشوں کے اوقات اور اقسام نہایت غور و فکر سے

قرار دیں اور جہاں ہماری طبیعت فیصلہ کرنے میں تامل کرے وہاں
قدرتی اثروں کی شہادتیں تلاش کریں۔ آسائش کا لفظ ایسے معنی رکھتا ہے
جسکا اطلاق کسی خاص حالت پر نہیں ہو سکتا کیونکہ کبھی ہم شگون میں آسائش
پاتے ہیں کبھی مشتی میں کبھی ہمکو جلوت پسند آتی ہی کبھی خلوت لیکن ہر ایک حالت میں یہ
امر کلیہ مسلم ہے کہ ہر ایک آسائش ہمکو ہماری خواہشوں کے حصول میں ملتی ہے
اور خواہشوں کے حصول کا ذریعہ قدرت نے محنت قرار دیا ہے جسکے اعتدال کے
متعلق یہ بحث ہے چونکہ حقیقی عزت نیکی اور فیاضی سے اور حقیقی آسائش محنت سے
نصیب ہوتی ہے اسوجہ سے مناسب ہے کہ ہم کسیقدر اُن تحریکوں اور تنبیہوں کو بھی بیان
کریں جو قدرتی طور پر ہم میں رکھی گئی ہیں اگر ہم چشم بینا اور گوش شنوا پیدا کریں تو ہمکو اپنے
گرد و پیش کی اشیا اور ہماری ہر ایک حالت سے کبھی تنبیہ اور کبھی داد ملتی ہے دیکھو
کاہل کی حالت چونکہ مضر ہے اسی کے واسطے بیرونی اور اندرونی تنبیہ موجود ہے اندرونی
تنبیہ یہ ہے کہ کاہل رہنے اور محنت نکرنے سے فضول بدنی تحلیل نہیں ہوتی طبیعت بھاری
اور دل اُداس رہتا ہی کھانا ہضم نہیں ہوتا۔ بیرونی تنبیہ یہ ہے کہ کاہل آدمی سے
چونکہ کسیکو کچھ مدد نہیں پہونچتی اسواسطے قدر کی نظروں سے نہیں دیکھا جاتا پس خود کاہل
کی حالت تنبیہ کر رہی ہے کہ اُٹھو محنت کرو تاکہ کھانا ہضم ہو دل کی اُداسی دور ہو
کام درست ہوں کسی کو مدد پہونچے محنت کرنیکی عادت چونکہ مفید ہے اُس میں مصروف
رہنے کی حالت سے ہماری ہمت اور لیاقت کی صحیح داد ملتی ہے ہم حسن سلیقہ اور محنت سے

مصروف ہوتے ہیں اُسی اندازہ کی کامیابی ہوتی ہے - روزانہ تجربہ زبان حال سے
کہہ رہا ہے کہ زر سرخ و سفید کی تھیلیاں نفیس لباسوں کے بقچے - خوش مزہ غذاؤں کے
خوان بلند نامی کے خطاب ارز اعزازونکے تمغے محنت کی میزوں پر چنے ہوئے ہیں
ہر شخص کو اُن میں بقدر لیاقت و ہمت ملجاتا ہے - شفیق قدرت نے ہماری اخلاقی
حالتوں میں بھی اثر رکھے ہیں جب ہم فریب کی راہیں نکالتے ہیں یا دوسرونکے حقوق
پر ہاتھ بڑھاتے ہیں تو آغاز فکر سے خود ہمارا دل ہمارے فعل کو نفرت کی نگاہ
سے دیکھتا ہے ہماری عزت خود ہماری نظروں میں نہیں رہتی پھر جیسا کرتے ہیں ویسا
صلہ پاتے ہیں افعال کے اثر بہت ہی سریع الظہور ہیں جب ہم اداً یا
خطاباً یا فعلاً کسی کی بے ادبی کا ارادہ کریں تو ہمکو یقین کر لینا چاہیئے کہ ہمنے
نفرت اور خصومت کا ایسا بیج اُسکے دل میں بویا ہے جس کی کونپلیں فوراً پھوٹ
آئیں علی ہذا القیاس جب ہم سچے دل سے کسی کی مدد یا ادب یا تعظیم کرتے ہیں تو
اگرچہ ان سادہ افعال میں ہمکو کوئی زیادہ غور و فکر کی ضرورت نہیں ہوتی مگر ہماری
الفت ہماری عظمت نہ فقط اُن دلوں میں بلکہ ناظرین و سامعین کے دلوں تک
جذب مقناطیسی کا کام کرتی ہے آمدم بر سر مطلب اب ہمکو عزت و آسائش
مطلوب ہے تو ہمکو لازم ہے کہ ہم اپنے افعال میں سیدھے سادھے راستباز
اور موجب نفع رسانی ہیں اور اپنی محنت و آسائش کا صحیح موازنہ کریں - ریاضت
معمولی میں ہماری ریاضتیں ہر روز اُس حدتک محدود رہیں جہانتک فضول بدنی

تحلیل ہوکر حرارت غریزی کا انتعاش ہوجائے یہ نہو کہ رطوبات اصلی کی تحلیل
شروع ہونے تک محنت کی جائے اور امور معیشت میں ہماری محنتیں اُس حد تک
محدود ہوں جبتک آجکا کام آج ہی انجام پاجائے سیدھا حساب کرنے کے
واسطے محنت کا قدرتی پیمانہ دن ہے سورج کی روشنی آغاز طلوع سے کہتی
ہے کہ میں تیرے کاموں میں مدد دینے کے لئے قدرتی مشعل ہوں ایسی حالت
میں دن کو کاموں میں محنت کرتے رہنا گویا ایک قدرتی تحریک کا تتبع ہے
علیٰ ہذا القیاس آرام و آسائش کے واسطے کارپرداز ان غیب نے رات
مقرر فرمائی ہے۔ جسوقت شام ظلمت کی خاموش قناتیں اطراف عالم میں نصب
کرتی ہے اس سے یہ اشارہ ہے کہ میرے پردہ میں دل کی جائز خواہشوں
پر کامیاب ہو۔ اے خداوند عالم اپنے وسیع اشفاق اور بےمثل برکات
سے ہماری رگوں میں وہ خون اور خون میں وہ جوش دے جس سے ہمارا نام
بھی خاص مردان خدا کی فہرست میں لکھے جانے کی عزت حاصل کرلے آمین ثم آمین

تمت بالخیر

اطلاع

اس کتاب کی فروخت کا حق
ڈیوٹی بک ڈپو مدرسۃ العلوم مسلمانان
علی گڈھ کو دیدیا گیا ہے جس کسی کو
مطلوب ہو وہاں سے
منگا لے